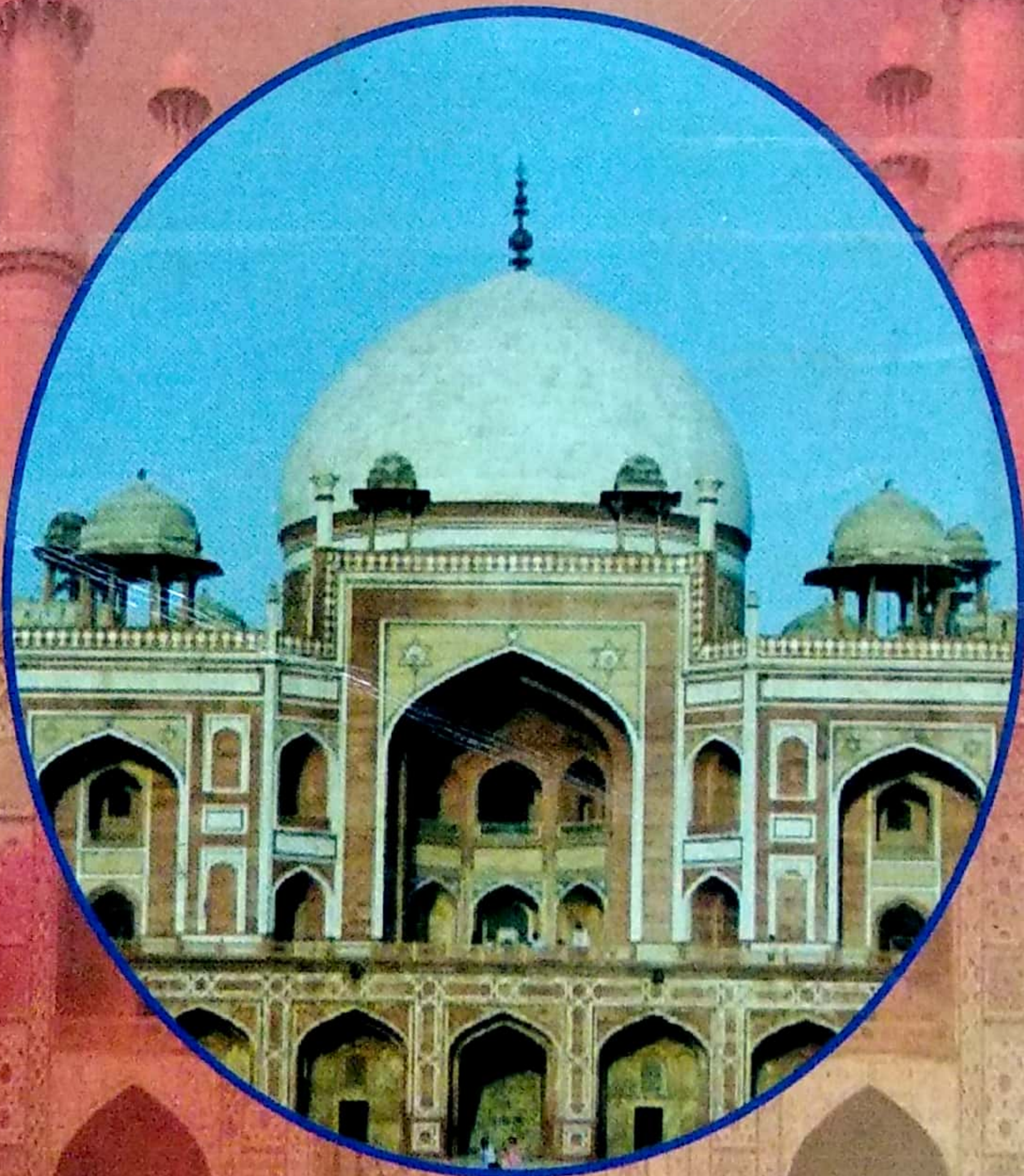
فارسی میں تاریخ گوئی کی روایت



ڈاکٹر عراق رضا زیدی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فارسی میں تاریخ گوئی کی روایت

سمند ادبیات ز ''روی تاریخ''

۲۰۰۶ء ۱۴۲۷ھ

ڈاکٹر عراق رضا زیدی

ملک بُک ڈپو

3212، ترکمان گیٹ، دہلی۔ 110006

Mobile: No.09899711762

سلسلۂ مطبوعات ——— ۵۶

ISBN : 81-87944-55-2

نام کتاب : فارسی میں تاریخ گوئی کی روایت

مصنف : ڈاکٹر عراق رضا زیدی

پتہ : ادارہ بوستانِ قلم، سیتھل، ضلع بریلی، اتر پردیش

صفحات : 112

تعداد : 500

اشاعت : اوّل (اگست) 2006ء

قیمت : سو روپے =/100 (طلبہ کے لیے =/50)

ناشر : ملک بک ڈپو

3212، ترکمان گیٹ، دہلی۔ 110006

مطبع : انیس آفسیٹ پرنٹرس

کوچہ چیلان، دریا گنج، نئی دہلی۔ 110002

FARSI MEIN TARIKH GOI KI RIVAYAT

By: Iraq Raza Zaidi

MALIK BOOK DEPOT

3212, Turkman Gate, Delhi- 110006

Mobile:098 99 711 762

Price: Rs. 100/-

Scanned by CamScanner

انتساب

اپنے مہربان و مشفق اساتذۂ کرام

- ڈاکٹر سید ذاکر حسین نقوی مرحوم
سابق صدر
شعبۂ فارسی، اردو و عربی۔ پنجابی یونیورسٹی۔ پٹیالہ

- آنجہانی ڈاکٹر اوم پرکاش اگروال زارؔ علامی
صاحب کلید عروض و مسلمات فن

- حکیم سید احمد اصغر قلمؔ زیدی الواسطی سیتھلی مرحوم
بانی ''قلم لائبریری''، سیتھل، بریلی

کے نام

جن کی تربیت سے فن عروض اور تاریخ گوئی کے تمام رموز سے واقف ہوا۔

ترتیب کتاب

عــــــنــــــاویــــــن

پیش لفظ

ڈاکٹر زینت اللہ جاوید (پروفیسر اینڈ ہیڈ)
نواب شیر محمد خان انسٹی ٹیوٹ (پنجابی یونیورسٹی) مالیر کوٹلہ

سیتھل بریلی کا ایک مشہور ومعروف قصبہ ہے۔ جو علم وادب کا گہوارہ رہا ہے اور آج بھی یہاں علمی ذوق وادب اپنے عروج پر ہے اسی قصبہ میں ایک علمی خانوادہ حکیم سید احمد اصغر قلم کا ہے جو ایک معزز شخصیت کے مالک تھے، ادبی سماجی اور ثقافتی سطح پر اعلیٰ مقام رکھتے تھے اور علاقہ بھر میں عزت واحترام کی نظروں سے دیکھے جاتے تھے، موصوف ایک اچھے شاعر اور نیک سیرت انسان تھے۔ زندگی بھر ادبا وشعراء کی سرپرستی فرماتے رہے۔ شعری اصناف میں حمد، نعت شریف، غزل، رباعی، مرثیہ، سلام نوحہ، قطعات وغیرہ خوب کہے ہیں۔ موصوف کی خدمات کے بعد آپ کی یاد میں 'بوستان قلم' وجود میں آیا جس کی سرپرستی میں کئی کتابیں اور شعری مجموعے منظر عام پر آچکے ہیں۔ سہ ماہی رسالہ 'لمحے لمحے' نے حکیم صاحب کی ادبی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے ایک کتابی صورت میں نمبر بھی شائع کیا ہے۔

ڈاکٹر عراق رضا زیدی حکیم سید احمد اصغر زیدی الواسطی المتخلص قلم سیتھلی کے صاحبزادے ہیں۔ وطن سیتھل ضلع بریلی (یوپی) ہے۔ فارسی میں ایم۔اے کی سند مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے حاصل کی۔ ڈاکٹر عراق نے راقم السطور کی نگرانی میں ''مثنویات فانی کشمیری کا تنقیدی جائزہ'' مکمل کیا جس پر پنجابی یونیوسٹی، پٹیالہ نے انھیں ڈاکٹریٹ کی ڈگری سے سرفراز کیا۔ یہ تحقیقی مقالہ اشاعت پذیر بھی ہو چکا ہے۔ تقریباً ساڑھے سات سال پنجابی یونیورسٹی، پٹیالہ کے شعبۂ فارسی، اردو وعربی میں بحیثیت لکچرار کام کیا۔ بعد ازاں جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی میں اکتوبر ۱۹۹۸ء سے ریڈر کی پوسٹ پر اپنی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ موصوف کے اردو، فارسی زبان وادب سے متعلق مسلسل تحقیقی وتنقیدی مضامین ملک وبیرون ملک کے معیاری اردو وفارسی جرائد میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ خصوصی علمی میدان علم عروض ہے۔ ڈاکٹر عراق نے ہندو پاک کے مشہور ومعروف استاد ماہر عروض ڈاکٹر اوم پرکاش زار علامی کی رہنمائی میں فن عروض میں مہارت حاصل کی اور ان کی زندگی ہی میں زار علامی کے جانشین کہلائے۔ عراق رضا نے جدید ادب سے زیادہ اپنے بزرگوں اور اسلاف سے اپنے برگزیدہ مصنفوں اور مفکروں کے ارشادات ونگارشات سے بہت کچھ سیکھا ہے۔ ان کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ ادب میں کھوئی ہوئی روشنی تلاش کرنا اپنا حق سمجھتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ان کے تحقیقی موضوعات بھی بالکل انوکھے اور انفرادی حیثیت کے حامل ہوتے ہیں۔ ان کی نظر ان موضوعات تک جاتی ہے جن تک عام

لوگوں کی رسائی نہیں ہوتی۔ شعر گوئی وراثت میں ملی ہے۔ زود گوئی اور زود نویسی ان کے شعری مزاج کا حصہ ہے۔ غزلوں میں روانی اور بے ساختگی پائی جاتی ہے۔ ڈاکٹر عراق کی زبان ہم عصر شعراء کے مقابلہ میں زیادہ فصیح اور مستند محسوس ہوتی ہے۔ شخصیت کے اعتبار سے ذی علم، ذی فہم اور منکسر المزاج ہیں اور علمی استعداد کی بدولت قابل احترام سمجھے جاتے ہیں۔ قدرت نے انھیں جو شعریت کا جوہر ودیعت کیا اور علم وفن سے نوازا اس سے فائدہ اٹھانے اور اس کو استعمال کرنے کی تمیز رکھتے ہیں۔ عروضی میدان میں ڈاکٹر عراق کی تحریریں صحت استدلال اور استنباط نتائج کے لحاظ سے اہمیت کی حامل ہوتی ہیں۔

ڈاکٹر عراق تاریخ گوئی میں بھی ید طولیٰ رکھتے ہیں۔ تاریخ گوئی ایک ایسا ضابطۂ علم ہے جس میں زبان وبیان کے ساتھ شعری تفکر بھی بہت ضروری ہے۔ تاریخ گوئی میں کسی خاص زاویے اور نہج کو دیکھا جاتا ہے یہ ایک ایسا پودا ہے جو شعری تجربات کی گہری زمین میں بویا جاتا ہے۔ یہاں ذہانت اور عقل ودانش بھی چاہیئے اور سوجھ بوجھ نیز قدرت بیان بھی۔ اس میں اس خون کی آنچ ہوتی ہے جس کے لیے مصرع لکھا جا رہا ہے۔ گویا تاریخ گوئی خارہ شگافی کا عمل ہے، خودنگری کا نہیں۔ ڈاکٹر عراق کی تاریخ گوئی کا یہ عالم ہے کہ جو مصرعہ یا قطعہ کہتے ہیں وہ اپنے آپ میں مکمل اور فصاحت وبلاغت سے مزین ہوتا ہے۔ ان کے تخلیق کردہ مصرعوں میں عروض کی مکمل پابندی، آہنگ اور موزونیت ہوتی ہے۔ یہاں بامعنی الفاظ کا گزر ہے کثرتِ معانی کا نہیں۔ تاریخ گوئی سے ڈاکٹر عراق کو اس قدر دلچسپی ہے کہ انھوں نے اس دقیق علمی موضوع کو اپنی کتاب ''فارسی میں تاریخ گوئی کی روایت'' کے لئے منتخب کیا ہے۔ تاریخ گوئی نے اپنی رفاقت اور ہم نوائی کا رشتہ فارسی سے استوار کیا تھا اور چونکہ ڈاکٹر عراق فارسی کے ذی فہم استاد ہیں موصوف نے فارسی میں تاریخ گوئی کی روایت کا گہرا مطالعہ کرنے میں جس ژرف بینی اور عرق ریزی سے کام لیا ہے وہ قارئین کے سامنے ہے۔ ظاہر ہے اس موضوع پر وہی قلم اٹھا سکتا ہے جو اس علم میں مہارت رکھتا ہو اساتذہ کے دور میں کبھی کبھار رسائل میں ایسے علمی موضوعات پر تحریریں لکھی جاتی رہی ہیں لیکن جدید دور میں فارسی وعربی سے دوری کے باعث اب ایسے موضوعات پر کام کرنے والے چند لوگ ہی رہ گئے ہیں۔ ڈاکٹر عراق رضا نے نہ صرف اس موضوع کو چھوا ہے بلکہ اس تحقیقی مواد کی فراہمی سے، بہت سے ادبی وعلمی نکات سے ہمیں آشنا بھی کیا ہے۔ خصوصاً تاریخ گوئی کی ایک نئی قسم ''سنین معنوی وصوری'' ایجاد کر کے وقت کی اہم ضرورت کو پورا کیا ہے جس کے ذریعے ایک ہی مصرع سے ہجری اور عیسوی دونوں سنین معلوم ہو جاتی ہیں۔ یقیناً ادبی دنیا اس ادبی کاوش کو بنظر تحسین دیکھے گی۔

حرفِ آغاز

تاریخ گوئی ایک اہم لیکن مشکل ترین صنف سخن ہے۔ تہذیب وتمدن اور تاریخ سے جس کا براہ راست واسطہ ہے۔ اتنی اہمیت کی حامل ہونے کے باوجود محققین وناقدین اس پر قلم اٹھانے سے گریزاں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخ گوئی پر جتنا کام ہونا چاہئے تھا اس کا عشر عشیر بھی نہیں ہو سکا ہے۔ اردو تاریخ گوئی کے حوالے سے البتہ چند کتابیں منظر عام پر آ چکی ہیں۔ لیکن فارسی تاریخ گوئی پر خاطر خواہ کام نہیں ہوا ہے۔ ممکن ہے اس کی ایک وجہ، اس فن میں شعبہ حساب کا اچھا خاصہ دخل ہے۔ یعنی تاریخ گوئی کے لئے حساب پر بھی اتنی ہی مہارت کی ضرورت ہے جتنی ادب پر۔ ایک قابل توجہ بات یہ ہے کہ اس صنف کا رشتہ ہر صنف سخن سے ہے۔ شاعروں نے قصیدے، قطعے، رباعی اور مثنوی جیسی اہم اصناف میں اس فن کا مظاہرہ کیا ہے۔ آج جب کہ اہل دانش کا رشتہ کلاسیکی ادب سے کم ہوتا جا رہا ہے، جدیدیت کی طرف مائل طبیعتیں زندگی کے ہر شعبے میں سہولت پسندی کی طرف مائل ہیں۔ ایسے میں اس وقیع ودقیق فن کے ساتھ سرد مہری وسراسیمگی بعید از قیاس نہیں ہے۔ لیکن ایسا بھی نہیں کہ دانش ور حضرات اس صنف سے بالکل بے بہرہ ہو گئے ہیں۔ ایران وافغانستان کی تو بات ہی کیا ہندو پاک کے مخصوص شعراء آج بھی تاریخ گوئی میں اپنے فن کا مظاہرہ کر کے داد تحسین حاصل کر رہے ہیں۔ جن میں پروفیسر ولی الحق انصاری اور حامد حسن قادری وغیرہ کے نام سر فہرست ہیں۔

راقم الحروف کے دل میں اس مقالے کو تحریر کرنے کا خیال ان منفی حالات کے پیش نظر آیا کہ اکثر کانفرنسوں اور سیمیناروں میں کچھ اردو کے دانشوروں، محققوں اور ناقدوں کو طنزیہ یہ فرماتے سنا گیا کہ اس دور میں تو مقالہ لکھنے کے لئے کسی کے دو مقالے پڑھ کر تیسرا اور ان تین کے ذریعہ چوتھا مقالہ سپرد قلم کر دیا جاتا ہے۔ اس طرح یہ کام بغیر کسی جانفشانی کے آسانی سے انجام دیا جا رہا ہے۔ لہٰذا یہ طے پایا کہ ایسے موضوع پر گفتگو کی جائے جس پر ان ایک، دو، تین یا چار مقالوں کی گنجایش ہی نہ ہو۔ لہٰذا فارسی تاریخ گوئی جیسے اچھوتے موضوع پر جب قلم اٹھایا تب احساس ہوا کہ اس موضوع پر کام کرنا کتنا مشکل ہے۔ مشکل کام ہونے کا احساس اس بنا پر نہیں کہ مواد کی کمی ہو، مواد تو وافر مقدار میں مختلف دواوین اور تذکروں میں موجود ہے لیکن اس فن سے لاعلمی کی بنا پر کاتبین حضرات نے جہاں گل کھلائے تھے وہیں تدوین اور تصحیح کرنے والوں نے

تاریخی مصرعوں اور شعروں کے حروف کے اعداد شمار کرکے صحت متن کی طرف توجہ ہی نہیں کی تھی جس کے نتیجے میں اکثر مصرع یا شعر سے صحیح تاریخ حاصل نہ ہو سکی۔ حالانکہ شاعر نے اس مصرع یا شعر پر اپنی پوری مہارت و استعداد کا استعمال کیا تھا۔ یہاں بطور نمونہ چند مثالیں پیش ہیں جن سے اس مقالے کو تیار کرنے میں مشکلات کا اندازہ بہ آسانی لگایا جاسکتا ہے۔ اس میں خصوصاً ان الفاظ کے تحریر کرنے کا طریقہ جنھیں دو طرح سے صحیح لکھا جاسکتا ہے۔ مثلاً بہ۔ از۔ ز اور الف مقصورہ وغیرہ جیسے بہ شہ کربلا، بشہ کربلا۔ یہاں تک کہ ''باشہ'' کو بھی بشہ تحریر کردیا جاتا ہے۔ جیسے صحف ابراہیم کے ص ۷۷ پر ایک تاریخ تدخلہ میں اس طرح درج ہے۔ ''در یکھزار ویکصدوھشتاد ودوجھان فانی پدرود کرد''۔

گشت تاریخ او زروی سداد　　　بشه کربلا ابد محشور

یہ بشہ دراصل ''باشہ'' ہے جس سے صحیح تاریخ موزوں ہو جاتی ہے۔ یا مشہور تذکرہ نصرآبادی کے ص ۴۷۳ پر محتشم کاشانی کی رباعیوں میں جن کے ہر مصرعے سے تاریخ برآمد ہوتی ہے۔ اسمعیل کو اسماعیل لکھنا۔ یا پہلی رباعی کے تیسرے مصرع میں ''بود زفلک'' کی جگہ ''بود از ملک'' لکھنا جس سے مصرع کے عدد میں ۳۹ (انتالس) عدد کا فرق ہو جاتا ہے۔ اسی طرح کا ایک اشتباہ ریاض الشعراص ۸۴۷ پر مرزا ہندال کی ولادت کے سلسلے میں بھی ہے۔ جس میں ''کوکب برج شاهی '' تاریخ ولادت اوست، درج ہے۔ جس کے عدد صرف ۵۶۹ ہوتے ہیں۔ جب کہ ہندال کی ولادت ۹۲۷ھ میں ہوئی ہے۔ اور یہ مصرع ''میرزا هندال کوکبی برج شاهی'' ہونا چاہئے تھا۔ اس قسم کی زحمتوں کے علاوہ تاریخ کے مصرعوں کے رموز سمجھنے کے لئے دئے گئے اشاروں سے ہم آہنگ ہونا بھی کار دارد ہے۔ مثلاً مولانا وحشی یزدی نے اپنی مثنوی ''ناظر و منظور'' کے لئے ایک ہی مصرع میں چار طرح سے تاریخ حاصل کرنے کے مندرجہ ذیل اشارے کئے۔

سزد که از پی تاریخ نظم وی گویم　　　دهی نظام در درج درس درج دول

۹۶۶ھ کے مندرجہ بالا مصرع سے تاریخ حاصل کرنے کے لئے مندرجہ ذیل اشارے کئے گئے ہیں۔

یکی زجمله حروفی که داخل نقطه است　　　دوم از آنچه در اونیست نقطه را مدخل

سوم ازان کلماتی که واصلند بهم　　　چهارم آنکه در آیند عکس آن بعمل

اس مصرعہ کے نقط اور بے نقط حروف متصل اور منفصل حروف کے اعداد کے ذریعہ چار طرح سے تاریخ

۹۶۶ حاصل کی جاسکتی ہے۔ ان رموز کو سمجھنا، پھر ان حروف کے اعداد کا اسی طریقے سے شمار کرنا سر درد سے کم نہ تھا۔ لیکن خدا کے فضل و کرم اور محمدؐ و آل محمدؐ کی الفت کے صدقے میں یہ مقالہ پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا۔ جس کے لئے اپنے استاد پروفیسر زینت اللہ جاوید صاحب کا شکر گزار ہوں جنھوں نے مقالہ پڑھ کر پیش لفظ لکھنے کی زحمت فرمائی۔ راقم الحروف نے جناب محبوب حیدر محبوب رضوی سے فن شاعری کے نکات سمجھے اور شعروں پر اصلاح لے کر اصلاح کرنے کا طریقہ سیکھا۔ پھر اپنے برادر بزرگ جناب شاہین رضا زیدی کی باز پرس اور تنبیہ کو اس مقالے کی تخلیق کا باعث مانتا ہوں۔ برادر اشجع رضا زیدی کے تقاضے بھی موجب افکار ہوئے۔ ڈاکٹر طاہر حسین کاظمی نے مسودے کی آرائش میں اپنی دور رس اور نکتہ شناس عمیق رائے سے ہر ہر قدم پر نواز کر خاطر خواہ وقت دیا۔ ڈاکٹر عبدالحلیم کے مفید مشورے حاصل ہوئے، تو عزیز دوست، بچوں کے ہر دل عزیز شاعر جناب عادل اسیر نے اشاعت کا سارا بوجھ اپنے ذمہ لے لیا، جناب وہاج احمد اشرف صاحب نے کمپوزنگ کا کام بڑی تن دہی سے انجام دیا، ان سبھی حضرات کا شکریہ ادا کرنے کے ساتھ اپنی شریک حیات محترمہ ناہید اختر زیدی کی پروف ریڈنگ اور جملہ امور میں تعاون کے لئے بھی شکر گزار ہوں، قارئین حضرات سے امید کرتا ہوں کہ وہ اس کتاب کی خامیوں کی طرف ضرور اشارے فرمائیں تاکہ اگلے ایڈیشن میں انھیں دور کیا جاسکے۔

ڈاکٹر عراق رضا زیدی
شعبہ فارسی
جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی۔۱۱۰۰۲۵

فارسی شاعری کی اکثر اصناف سخن عربی زبان سے حاصل کی گئی ہیں۔ ان میں غزل، قصیدے اور قطعے وغیرہ کے تو ہو بہو وہی اصول وقواعد ہیں جو عربی زبان میں رائج تھے۔ اس کی ایک وجہ فارسی شاعری کا ظہور اسلام کے بعد ایران میں مسلمانوں کی حکومت کے زمانے میں ارتقائی منازل طے کرنا ہے۔ اس کے برخلاف کئی اہم اصناف، فارسی کی اپنی بھی ہیں جن پر عربی شعر وادب کا کوئی اثر تو درکنار بلکہ بعد میں یہ اصناف فارسی کے زیر اثر عربی میں داخل ہوئی ہیں۔ تاہم ان اصناف میں عربی زبان کا سرمایہ آج فارسی کے اشعار کی گرد چھونے سے بھی قاصر ہے۔ ان میں مثنوی کو خاص فوقیت حاصل ہے۔ یہی حال رباعی کا بھی ہے۔ یہ بھی سچ ہے کہ ان دونوں اصناف کے نام عربی زبان سے ہی لئے گئے ہیں۔ فارسی شاعری کے ناقدین ودانشور غزل اور قصیدے کی طرح ان دونوں اصناف پر بھی برابر تنقیدی وتحقیقی مقالے تحریر کرتے رہے ہیں۔

مثنوی اور رباعی کی طرح ہی ایک تیسری صنف سخن ''تاریخ گوئی'' بھی فارسی شاعروں کی اپنی ایجاد ہے حالانکہ اس صنف سخن کا انحصار ''نظام ابجد'' پر ہے۔ لیکن خود عربی زبان میں تاریخ گوئی کا وجود اس حد تک بھی نہیں ہے جتنا کہ مثنوی یا رباعی کا ہے۔ جس کا ثبوت ''تاریخ الشعر العربي الحديث'' جیسی مستند کتاب سے ملتا ہے۔ احمد قبش کے اس معرکۃ الآرا مقالے میں عربی شاعروں کے کلام اور اصناف سخن پر بحث کی گئی ہے جس کا پہلا باب ہی ''فن التاريخ الشعري'' ہے۔ جس میں مندرجہ ذیل صرف دو تاریخی مصرعوں پر بحث کی گئی ہے۔

"ولم يتفق الباحثون من مؤرخي الأدب العربي وغيرهم ممن تطرقوا لهذا الموضوع- على قلتهم- على زمن ظهوره في الشعر العربي، فقد ذهب بعض المؤرخين والدارسين إلى أنه من محدثات العصور الأخيرة ويرجعون بتاريخه إلى

أوائل القرن العاشر للهجرة، وذهب بعض الباحثين إلى أن أقدم ما وقف عليه فن التاريخ الشعري قول بعضهم في حادثة وقعت سنة ٨٢٢ هج. (١)

تاريخه : خير بدا　　　مع كمال العفة

٨١٠ + ٧　　　+ ٥ = ٨٢٢ "

''على قلتهم'' اس دلیل پر صاد ہے کہ عربی زبان میں تاریخ گوئی کی کوئی واضح روایت نہیں ہے یہاں تک کہ احمد قبش کو مثال کے لئے بھی کسی شاعر کا نام نصیب نہ ہو سکا اور اس کے پیش نظر جو تاریخی مصرع تھا بھی اسے بجائے شاعر کے نام کے ''قول بعضهم'' سے تعبیر کیا گیا۔ یہ تاریخ کس واقعے کے وقوع پذیر ہونے پر کہی گئی ہے یہ بھی مفقود ہے اسی لئے ''في حادثة وقعت سنة ٨٢٢ ھ.'' سے بات کو مکمل کیا گیا ہے۔ اور یہ تاریخ بھی تعمیہ تدخلہ کی صورت میں برآمد کی گئی ہے یعنی خير بدا ..... مع كمال العفه۔ خیر بدا جس کے ٨١٧، اعداد ہوتے ہیں، اس میں عفہ کے آخری حرف ''ہ'' جس کے پانچ عدد ہوتے ہیں داخل کر کے ٨١٧+٥=٨٢٢ھ کے کسی حادثے کی تاریخ نکلتی ہے۔ اسی طرح دوسرے مصرع تاریخ کے شاعر کا نام بھی معلوم نہیں ہے۔

"وأرخ بعضهم وفاة (محمد) باشا والي مصر المقتول سنة ٩٧٥ فقال:

قتله بالنار نور　　　وهو في ألتاريخ ظلمة "

یہ تاریخ مصر کے بادشاہ محمد کے انتقال پر لفظ ''ظُلمَةٌ'' =٩٧٥ھ سے برآمد کی گئی ہے۔ حیرت کی بات یہ بھی ہے کہ یہ اہم باب صرف تین صفحات ١٧، ١٦، ١٥ پر مشتمل ہے۔ ان میں سے بھی ایک مکمل صفحہ الگ حروف جوڑنے میں صرف کر دیا گیا ہے، لہٰذا یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ تاریخ گوئی میں فارسی زبان کو فوقیت اور برتری حاصل ہے اس لئے کہ اس کا تابناک ماضی فارسی زبان کا اپنا سرمایہ ہے جس کی تابندہ روایت اردو زبان میں بھی اسی آب وتاب سے در آئی ہے۔

تذکرہ نگاروں اور دانشوروں کی نگاہ میں ''تاریخ گوئی'' کا فن دیگر اصناف سخن سے زیادہ مشکل مگر اہمیت کا حامل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام تذکرہ نگار تاریخ گو شعراء کے حالات درج کرنے کے ساتھ اس صنف کی مشکل پسندی اور ادبی اہمیت کے اشارے کرتے ہیں۔ جبکہ قصیدہ، مثنوی، مرثیہ یا قطعات وغیرہ اصناف سخن کو یہ امتیاز حاصل نہیں ہے۔ مثلاً ''شام غریباں'' میں رفیقی آملی کے لئے درج کیا گیا ہے۔

''طالب علمی مستور و در فن معما و تاريخ ماهر بود''(٢)

عرفات میں تقی اوحدی نے رونقی مشہدی کے لئے لکھا ہے: "از تاریخ و انشا صاحب وقوف بود"(۳)
تاریخ اعظمی میں محمد اعظم شاہ علی قوانی کے لئے رقمطراز ہیں:

"مرد صاحب طبع وسخنور و تاریخ گو و خوش نویس بود"(۴)

تذکرہ شعرای پنجاب میں شعری کے لئے درج ہے:

"او خطاط هم بود، در تاریخ گفتن مهارت داشت"(۵)

غلام محی الدین کنجاہی کے لئے بھی۔ "در فن تاریخ گوئی هم مهارت تامی داشت" (۶) درج کیا گیا ہے۔
سفینہ ہندی میں بھگوان داس نے میر اولاد علی ذکا کے بارے میں لکھا ہے۔

"در فن شعر گوئی خصوصاً در تاریخ مهارت بهم رسانیده"(۷)

صحف ابراہیم میں علی ابراہیم خاں نے شاہ محمد وفا کے بارے میں تحریر کیا ہے۔

"در فن تاریخ گوئی علم شهرت بر افراشته"(۸)

غرض کہ تذکرہ نگاروں نے فن تاریخ گوئی کو ایک اہم فن شعر گوئی مانا ہے۔ اور اس فن کی اہمیت اور افادیت کے قایل رہے ہیں۔

ایرانیوں میں تاریخی واقعات سینہ بہ سینہ محفوظ رکھنے اور لکھنے کا شوق ہمیشہ سے رہا ہے۔ جس کی مثال چوتھی صدی ہجری میں ابوالفضل بیہقی کی تصنیف ''تاریخ بیہقی'' اور نثری شاہناموں میں ابوالموید بلخی کا پہلا شاہنامہ، ابوعلی محمد بن احمد بلخی کا شاہنامہ منصور، دوسرا اور ابو محمد منصور بن عبدالرزاق کا تصنیف کردہ تیسرا شاہ نامہ ہے۔ اسی طرح منظوم شاہناموں میں اسدی طوسی کا گرشاسپ نامہ، دقیقی کا شاہنامہ اور آخر میں ابوالقاسم فردوسی کا شاہنامہ فردوسی، جو ایرانی تاریخ کے پہلے بادشاہ کیومرث سے ساسانی دور کے آخری بادشاہ یزدگرد سوم کی مسلمانوں کے ہاتھوں شکست تک کی مکمل تاریخ ہے۔ ان تاریخی کتب کے پیش نظر فارسی میں تاریخ نویسی کے شوق کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ اور اس حقیقت کی وضاحت بھی ہوتی ہے کہ فارسی ادب میں نظم اور نثر میں تاریخ کو محفوظ رکھنے کی روایت بہت پرانی ہے جو پروان چڑھتے ہوئے ''تاریخ گوئی'' کے پیکر میں بھی ڈھل گئی۔ لغات میں لفظ تاریخ کا ایک معنی ''وہ جملہ یا فقرہ یا مصرع جس کے اعداد نکالنے سے کسی واقعے کی تاریخ نکل آئے، بھی ہے۔ ''مہذب اللغات'' میں تاریخ کے معنی مندرجہ ذیل درج ہیں:

''کسی واقعے کا سنہ وقوع کسی لفظ، جملے یا مصرع سے بحساب ابجد اعداد نکال کر حاصل ہونا ہے۔ قول فیصل: اس کا صرف ''کہنا اور نکالنا'' کے ساتھ ہے''۔(۹)

''نور اللغات'' میں کچھ تفصیل سے اس طرح کی عبارت درج ہے:

''کسی چیز کے ظہور کا وقت ظاہر کرنا، کسی امر عظیم کے وقت کا تعین کرنا، کسی واقعے کا ایسے الفاظ میں ظاہر کرنا جن کے اعداد بحساب جمل جوڑنے سے زمانہ وقوع ظاہر ہو مثلاً ''اردو کا نادر لغت نور اللغات کی تالیف کی تاریخ ہے جس سے ۱۹۱۷ نکلتے ہیں۔''(۱۰)

افادہ تاریخ میں جلال لکھنوی نے ''تاریخ'' کا مطلب مزید تفصیل سے پیش کیا ہے۔

''تاریخ لغت میں کسی چیز کے وقت کے ظاہر کرنے کو کہتے ہیں اور مورخین یعنی تاریخ گویوں کی اصطلاح میں کسی امر عظیم اور واقعہ قدیم و مشہور مانند کسی بادشاہ کی سلطنت یا کسی فتنہ و فساد و جنگ و کارزار یا شادی و مرگ یا بنائے عمارت و باغ وغیرہ دیگر سوانح روزگار کی ابتدا کی مدت کے معین کرنے کو بولتے ہیں'' (۱۱)

فارسی ادب کی کتابوں میں بھی ''تاریخ'' کی تشریح اسی طرح موجود ہے۔ صاحب ''معدن الجواہر'' کے مطابق

"تاریخ نام صنعتی است از صنائع علم بدیع واین عبارت است ازان که متکلم بیان کند سال هجری یا سال دیگر را برای وقوع امری به لفظی یا فقره یا مصرعه یا زیاده از آن که اعدادش بحساب جمل موافق سال مذکور شد"۔(۱۲)

فارسی کے مشہور و معروف ''فرہنگ دہخدا'' میں تاریخ کے چند مطلب میں سے ایک مطلب مندرجہ ذیل بھی ہے۔

"وسخنوران کلمه تاریخ را بر لفظی اطلاق کنند که حروف مکتوبی آن بحساب جمل آن روز را نشان می دهد (۳) و گویند تاریخ نزد بلغاعبارتست ازانکه از جهت حدوث واقعه لفظی یا مصراعی که بحسب حروف مکتوبه از روی حساب جمل موافق تاریخ سال هجری ازان باشد، تاریخ آن قرار دهند واحسن آنست که کلمه تاریخ مناسب باشد"۔(۱۳)

مندرجہ بالا مطالب ومعنی کے علاوہ دور حاضر کے مشہور و معروف ادیب و دانشور دکتر منصور رستگار فسایی نے اپنی کتاب ''انواع شعر فارسی'' میں ''مادہ تاریخ سازی در شعر'' کے عنوان سے تحریر کیا ہے۔

"ماده تاریخ، شعری را می گویند که شاعر در شرح وقایع وحوادث مهم و موضوعات و پیش آمدهای جالب توجه وقابل ضبط مانند ولادت، مصاحرت، مرگ اشخاص بزرگ وجلوس سلاطین ووزراء وامرا بر مسند سلطنت ووزارت وامارت وبنای کاخهای باشکوه ومساجد و پلها و کاروانسراها

واماکن خیریه وتالیف کتب وتدوین دواوین ودیگر موضوعات ساخته وتاریخ وقوع آنرا نیز اعم از صریح یا به صورت حساب جمل در پایان مقال ذکر کرده است"۔(۱۴)

متذکرہ مطالب ومفاہیم کی روشنی میں تاریخ گوئی کا مقصد صرف کسی واقعے کے وجود میں آنے کی تاریخ تحریر کرنا یا نکالنا ہے۔ جس کے اظہار کے لئے عام اور سہل سا طریقہ یہ ہے کہ اس سنہ کے اعداد کو، جس میں کوئی واقعہ نمودار ہوا ہے اسے اعداد کی شکل میں لکھ دیا جائے۔ اس سنہ کے اعداد کو چار طرح سے لکھا جاسکتا ہے۔ جس کی پہلی صورت صرف ہندسوں کا استعمال کرنا ہے جیسے اکبر بادشاہ کے جلوس کا سنہ "۹۶۳ھ" تحریر کردینا، دوسری صورت اس سنہ کو لفظوں کے ذریعے بیان کردینا جیسے "نہ صد وشصت وسہ" درج کردینا، اور تیسری صورت حروف کے اعداد کی مدد سے الفاظ میں بیان کردینا یہ صورت عام طور سے مصرع کی شکل میں تحریر کی جاتی ہے مثلاً "بی ھمایون بادشہ اکبر شد" اس مصرعہ کے اعداد سے ۹۶۳ برآمد ہوتی ہے۔ اور چوتھی صورت لفظوں کے ساتھ ساتھ حروف کے اعداد سے بھی کسی واقعے کی تاریخ برآمد کرنا جیسے "نہ صد وشصت وسہ بود اکبر شہ" اس مصرع کے الفاظ ۹۶۳ ملفوظی شکل میں موجود ہیں لیکن حروف کے اعداد سے ۱۵۵۶ء بحساب ابجد نکلتے ہیں جو ۹۶۳ھ کا عیسوی سنہ میں متبادل ہے۔ گویا اکبر ۹۶۳ھ مطابق ۱۵۵۶ء میں بادشاہ ہوا۔ اس طرح کی پہلی صورت ریاضی میں استعمال کی جاتی ہے باقی تینوں صورتوں کا تعلق فن تاریخ گوئی سے ہے گویا چند عدد یا اعداد کے مجموعے کو ایسے حروف، الفاظ یا جملے میں بیان کیا جائے جن سے "سنہ تاریخ" برآمد ہوتی ہو۔ مادہ تاریخ کہا جاتا ہے۔ جس کی وضاحت فرہنگ دہخدا میں اس طرح ملتی ہے:

"کلمه یا کلماتی که بحساب جمل مساوی تاریخ مطلوب برآید وآن کلمه یا کلمات با معنی باشد عبارت از آنست که مجموع حروف بیت یا مصراع یا عبارتی به حساب ابجد با تاریخ واقعه تطبیق کند۔"(۱۵)

تاریخ گوئی کی مندرجہ بالا تینوں صورتوں کو باقاعدہ نام بھی دئے گئے ہیں جس کے تحت انہیں (۱) صوری، (۲) معنوی اور (۳) صوری ومعنوی کہا جاتا ہے۔

صوری تاریخ

(۱) صوری تاریخ، تاریخ کی اس صورت کو کہتے ہیں جس میں زمانے کا اظہار اعداد کی مدد سے الفاظ کی شکل میں کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ منصور رستگاری فسائی نے تحریر کیا ہے۔

"تاریخ واقعه را به طور صریح بیان می کنند که این نمونه طبیعی ترین و قابل فهم ترین نوع از ماده تاریخ است۔"

مثال از سعدی در تالیف بوستان۔

بـه روز هـمـایون وسال سعید — بـه تـاریخ فـرخ میان دو عید
ز ششصد فزون بود پنجاه و پنج — کـه پـر در شد این نامبردار گنج

۶۵۵ (۱۶)

یہی بات ساحر لکھنوی نے بھی بیان کی ہے۔

"صوری تاریخ اس کو کہتے ہیں جس میں کسی واقعے کے ظہور میں آنے یا وقوع پذیر ہونے کا سال یا مہینہ وغیرہ الفاظ میں بیان کردیا جائے۔ اس میں حساب جمل کا دخل نہیں ہوتا اور ظاہری الفاظ ہی تاریخ کا مادہ ہوتے ہیں۔ اسی لئے اس کو ظاہری تاریخ بھی کہتے ہیں۔ مثلاً شیخ سعدی نے اپنی مشہور ومعروف کتاب گلستان کی تاریخ یوں کہی:(۱۷)

در آن مدت که مارا وقت خوش بود — زهجرت شش صد و پنجاه و شش بود(۱۷)

گویا چھ سو چھپن ہجری (۶۵۶) میں گلستان مکمل کی گئی۔

یہ طریقہ نہایت آسان اور ہر کس وناکس کی سمجھ میں آنے والا ہے۔ کیوں کہ اس میں جو زبان سے کہا جاتا ہے وہی بحر اور وزن کے اعتبار سے لکھ دیا جاتا ہے۔ اس کے باوجود اس طریقۂ تاریخ کو کوئی خاص اہمیت حاصل نہیں ہے شعرا کو اس طرح کی تاریخ لکھنے کے لئے بزور تخیل مضمون آفرینی یا فنکاری کا موقع شاذ ونادر ہی ملتا ہے اسی لئے اس طرح کی تاریخیں یا تو تاریخ گوئی کے اوائل میں نظر آتی ہیں یا دور ترقی میں اتفاقاً کبھی کسی شاعر نے اس طرح کا استعمال کیا ہے۔ ابھی تک یہ بھی معلوم نہیں ہوسکا ہے کہ اس قسم کی تاریخ گوئی کا آغاز کب اور کس نے کیا جبکہ چوتھی صدی ہجری میں ہی اس کے صحیح خدوخال نظر آنے لگے تھے۔ جب ابوشکور بلخی نے مثنوی آفرین نامہ کی تاریخ مندرجہ ذیل رقم کی تھی:

مر این داستان کش بگفت از نیال — ابر سیصد و سی وسه بود سال

اس کے بعد کسائی مروزی نے اپنی ولادت کے سلسلے میں قطعہ تاریخ نظم کیا تھا۔

به سیصد وچهل ویك رسید نوبت سال — چهار شنبـه وسه روز مانده از شوال
بیامدم بـجهان تا چه گویم و چه کنم — سرود گویم وشادی کنم به نعمت و مال

اس قطعہ میں مروزی نے دن، مہینے اور تاریخ کے ساتھ ساتھ اپنی ولادت کی خوشی کا اظہار بھی کر دیا تھا انھیں تاریخوں کو تاریخ گوئی کی شروعات سمجھا جانا چاہیئے۔

تاریخ گوئی کے دور آغاز میں لفظی تاریخیں بحر و وزن کی مجبوری کی بنا پر بے ترتیب بھی لکھی جاتی تھیں جس کا مطلب ہے کہ پہلے بڑی گنتی نہ لکھ کر بحر میں جو گنتی بھی پہلے آجائے وہ لکھ دی جاتی تھی حالانکہ فارسی میں اعداد لکھنے کا اصول یہ ہے کہ پہلے ہزار پھر سو اور اس کے بعد دہائی و اکائی کا استعمال کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ سعدی شیرازی کی مندرجہ بالا تاریخوں سے ظاہر ہوتا ہے۔ بے ترتیب تاریخ کی مثال نظامی گنجوی کی ''لیلیٰ مجنون'' کی تاریخ میں دیکھی جا سکتی ہے۔

تاریخ عیان که داشت با خود　　هشتاد و چهار بعد پانصد

یہاں ''پانصد و ہشتاد و چار لکھنا تھا لیکن بحر کی قید کی بنا پر اس ترتیب کو بدل دیا گیا۔ اور پانصد کا استعمال ہشتاد و چار کے بعد کیا گیا۔ اصل گنتی ''۵۸۴'' ہے۔ اس گنتی کے الٹ پلٹ ہونے سے مفہوم پر کوئی اثر نہیں پڑتا البتہ ایک عیب ضرور مانا جائے گا۔ نظامی گنجوی نے اپنی ایک اور مثنوی ''خسرو شیرین''، میں جو ''لیلیٰ مجنون'' سے قبل تخلیق کی گئی تھی تاریخی اعداد بالترتیب استعمال کئے تھے۔

گذشته پانصدوهفتاد وشش سال
نزد بر خط خوبان کس چنین خال

یہاں پانصد و ھفتاد و شش (۵۷۶) کی ترتیب فارسی گنتی کے اصول کے عین مطابق ہے۔ ان دونوں تاریخی مصرعوں سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ اس دور تک تاریخ گوئی کے خد و خال مبہم اور کسی بھی آئین سے عاری تھے۔ چوتھی صدی ہجری کے خاتمے اور پانچویں صدی ہجری کے آغاز کے درمیان ۴۰۰ھ میں فردوسی نے اپنا شاہنامہ مکمل کیا اور اسی سال شیخ ابوالفتح کا انتقال ہوا۔ فردوسی نے اپنے شاہنامہ کی تاریخ خود برآمد کی ہے۔

زهجرت شده پنج هشتاد بار　　که گفتم من این نامهٔ شهر یار

اس شعر میں فردوسی نے ایک اور جدت پیدا کی ہے۔ وہ ہشتاد (۸۰) کو پانچ سے ضرب دیکر چار سو کا عدد پیدا کرتا ہے۔ شیخ ابوالفتح کی تاریخ وفات ملک عماد زوزنی نے حاصل کی تھی۔

شیخ عالی قدر مجد الدین ابو الفتح آن که بود
مقتدای اهل و فضل و سرور اهل کلام
چار صد باشی چو از تاریخ احمد در گذشت

در مه شوال رحلت کرد تا دار السلام (۱۸)

اس قطعہ میں سال اور مہینے کے ساتھ موت کا ذکر بھی موجود ہے۔ اور الفاظ سے ۴۰۰ھ ظاہر ہے۔

امیر تیمور کے زمانے تک یہ فن کافی ترقی کر چکا تھا۔ تاریخ گو شعراء نئے نئے تجربے کر رہے تھے۔ تذکرۃ الشعراء از دولت شاہ سمرقندی میں کسی شاعر کا ایک قطعہ ہے جس میں امیر تیمور کی عظمت کو سراہا اور اس کی ولادت، خروج اور وفات کی تاریخیں درج کی گئی ہیں۔

سلطان تیمور آنکه مثل او شاه نبود　　در هفتصد و سی و شش بیامد بوجود
در هفتصدو هفتاد و یکی کرد خروج　　در هشتصد و هفت کرد عالم پد رود(۱۹)

تیمور ۷۳۶ھ میں پیدا ہوا، ۷۷۱ھ میں اس نے خروج کیا اور ۸۰۷ھ میں فوت ہو گیا۔ ایک ہی قطعہ میں ایک ہی بادشاہ سے متعلق اس کے جدا گانہ اہم واقعوں کو تاریخی شکل دینا آسان نہیں تھا مگر اس قطعہ میں ان سب کا بیان حسن خوبی کے ساتھ موجود ہے۔ اسی تذکرہ میں نیشاپور میں رونما ہونے والے یکے بعد دیگرے تین زلزلوں کی تاریخ بھی ایک ہی قطعہ میں درج کی گئی ہے۔

''وعزیزی در باب زلزله که در نیشاپور بکرات واقع شده گفته۔'' (۲۰)

اندر سه زمان سه زلزله نازل گشت　　بد پانصد و اند آنکه شد شهر مودشت
وآن زلزلهٔ بار دوم ششصد وسی　　وآن زلزلهٔ بار سوم هشتصد وهشت

پہلی بار زلزلہ ۵۰۰ھ میں دوسری بار ۶۳۰ھ میں اور تیسری بار ۸۰۸ھ میں برپا ہوا جس کی تاریخ ایک نئے زاویے سے نکالی گئی ہے اسی طرح کی ایک تاریخ بابر بادشاہ سے متعلق بھی ملتی ہے۔ جسے محمد بشیر الدین احمد نے واقعات دار الحکومت دہلی میں رقم کیا ہے۔

در هشتصد و هشتاد و هشت آمد چو بابر در جهان
نه صد وسی بود و دو، چون فتح کرد هندوستان
تاریخ ششم ماه پنجم بودنه صد و سی و هفت
تا از جهان بیرون کشیدو کرد رخ سوی جنان (۲۱)

اس قطعے سے واضح ہے کہ ۸۸۸ھ میں بابر کی ولادت ہوئی، ۹۳۲ھ میں ہندوستان کو فتح کیا اور ۶ جمادی الاول ۹۳۷ھ میں انتقال کر گیا۔ انتقال کی تاریخ اور مہینے دونوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہی بات ہندوستان فتح کرنے کے لئے بھی درج کی جا سکتی تھی جو تقریباً تاریخ کی سبھی کتابوں میں تحریر ہے یعنی جمعہ کے دن بوقت صبح

ساتویں رجب کو بابر نے فتح حاصل کی تھی۔ یہ واقعہ بیان کرنے کے لئے ایک شعر کی ضرورت اور درکار تھی جو تحریر کیا جاسکتا تھا۔ بابر کا زمانہ دسویں صدی ہجری کا زمانہ ہے یہی وہ دور ہے جس میں اس فن نے ترقی کی تمام راہیں طے کر کے نئے نئے جوہر اور کارناموں سے خود کو سرفراز کیا۔ اسی دور میں صوری تاریخوں کی جگہ معنوی تاریخوں نے اپنے پیر جمائے حالانکہ ابتدائی دور میں ہی معنوی تاریخوں کے کہنے کا رواج عام ہو چلا تھا لیکن صوری تاریخوں کی بالا دستی قائم تھی۔ جودسویں صدی ہجری میں تقریباً دم توڑنے لگی تھی۔

ابجد کی تاریخ وتعریف

تاریخ گوئی کی اسی دوسری معنوی صورت کا مکمل دارومدار نظامِ ابجد پر ہے۔ جسے حساب ''جمل'' سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے، اس پر بحث کرنے سے قبل ضروری ہے کہ اس نظام کے ایجاد پر گفتگو کی جائے۔

ابجد کے بارے میں فرہنگ آصفیہ میں صاف طور سے درج ہے۔

''ابجدین دو ہیں ایک آدم علیہ السلام کی ترتیب دی ہوئی اور دوسری حضرت ادریس علیہ السلام کی'' (۲۲)

اس کا مطلب ہے کہ تخلیق عالم وآدم کے ساتھ ساتھ حروف کی بھی تخلیق ہوئی۔ جیسا کہ سورہ بقر کی اکتیسویں آیت میں فرمان خدا ہے۔ ترجمہ: ''اور آدم علیہ السلام کو سب چیزوں کے نام سکھادئے''

ظاہر ہے کہ اشیاء کے نام حروف اور الفاظ کے ذریعے ہی سکھائے گئے ہوں گے۔

فرہنگ آصفیہ میں ہی حضرت ادریس کی ابجد رائج ہونے کی بات اس طرح کہی گئی ہے۔

''چنانچہ آج کل ادریسؑ ہی کی ابجد جاری ہے انھوں نے اسی ابجد کو ترتیب دے کر آٹھ بامعنی کلمے بنائے اور ابجد ادریسی اس کا نام رکھا...... ابجد ادریسی کے آٹھوں کلمے یہ ہیں: ابجد، ہوز، حطی، کلمن، سعفص، قرشت، ثخذ اور ضظغ۔'' (۲۲) ایک دوسری روایت میں بعض لوگوں نے ان کلموں کا موجد اباجاد نامی بادشاہ کو قرار دیا ہے۔ باقی سات کلمے اس کے بیٹوں کے نام پر ہیں۔ اسی طرح کی بہت سی اور روایتیں بھی ہیں جیسا کہ دائرہ معارف اسلامیہ، جلد اول میں تحریر ہے۔

''(۱) ابوجد یا اباجاد نامی ایک بادشاہ گزرا ہے۔ اسی کا مخفف ابجد ہے۔ باقی سات کلمات کا تعلق اس کے سات بیٹوں سے ہے۔

(۲) مرامر نامی کسی شخص نے رسم الخط ایجاد کیا تھا اور یہ آٹھوں کلمات اس کے آٹھ بیٹوں کے نام ہیں۔

(۳) ان کلمات کے حروف خاص ترتیب اور مفہوم کے ساتھ حضرت آدمؑ پر نازل ہوئے۔ جنھیں ترتیب دے کر حضرت ادریسؑ نے یہ آٹھ کلمات بنالئے۔

(۴) ان کلمات کو مداین کے چھ بادشاہوں نے ایجاد ومرتب کیا تھا۔

(۵) ان کلمات کا تعلق دیووں، شیطانوں اور دنوں کے ناموں سے ہے۔'' (۲۳)

ان روایات کے علاوہ ایک روایت تاریخ گویان بداہوں میں حضرت شیثؑ (ع) کے نام سے بھی منسوب ملتی ہے۔

''ان آٹھوں کلموں کی نسبت بعض حضرات کا خیال ہے کہ یہ حسابی جملے حضرت شیثؑ پر نازل ہوئے ہیں اور خلیفہ ہارون الرشید کے عہد میں ترتیب دئے گئے۔'' (۲۴)

نتیجے کے طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ محققین ابھی تک کسی ایک رائے پر متفق نہیں ہوئے ہیں۔ کچھ محققین کا تو یہ بھی کہنا ہے کہ دنیا کی تمام زبانوں کے حروف سامی حروف سے ماخوذ ہیں۔ یہاں تک کہ فارسی اور ہندوستانی حروف کا ماخذ بھی یہی سامی حروف تسلیم کئے گئے۔ سامی حروف کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ آدم ثانی حضرت نوحؑ کے بیٹے کی ایجاد ہیں جن کا نام سام تھا۔ انھیں نے کتابت کا فن بھی ایجاد کیا تھا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ جانور کی کھال پر ان کے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک خط رامپور میں ابھی محفوظ ہے جس کو رضا لائبریری رامپور میں آل انڈیا پرشین ٹیچرس کانفرنس کے موقع پر ۱۹۹۶ء میں بطور نمائش دکھایا بھی گیا تھا۔ محمد اسحاق صدیقی نے اس ذیل میں خاص تحقیق کرنے کے بعد مندرجہ ذیل نتائج اخذ کئے ہیں۔

''سامی حروف کے قدیم ناموں اور ان کی آوازوں کو عبرانی نے بڑی حد تک محفوظ رکھا ہے'' (۲۶)

ان کا یہ کہنا ہے کہ:

''عبرانی میں حروف کے ۴۰۰ تک، یونانی میں ۹۰۰ تک عربی میں ایک ہزار تک، جارجین میں دس ہزار تک اور آرمینین میں بیس ہزار تک اعداد منسوب ہیں۔'' (۲۷)

دور حاضر میں ہمارا تعلق خصوصی طور پر فارسی، عربی، اردو، ہندی اور انگریزی وغیرہ زبانوں سے ہے جب کہ صرف عربی زبان کے حروف ابجد پر بات کی گئی ہے۔ فارسی اور اردو زبانیں اسی زمرے میں آجاتی ہیں۔ ہندی اور انگریزی پر کوئی بات نہیں کی گئی ہے۔ حالانکہ انگریزی کے حروف کہیں کہیں تو ابجد کی ترتیب سے بہت قریب ہیں۔ مثلاً ابجد کے مقابل A, B, C, D. کلمن کے مقابل K, L, M, N. اسی طرح قرشت Q, R, S, T. جیسے تقریباً گیارہ حروف ابجد کی ترتیب پر کھرے اترتے ہیں۔ اس کے علاوہ انگریزی کے ۲۶ حروف سے الف کے مقابل سبھی واول (A, E, I, O, U.(Vavels آجاتے ہیں۔

غیاث اللغات میں ان آٹھوں الفاظ کے معنی بھی بتائے گئے ہیں۔

"ابجد = یعنی پدر من که آدم بود یافته شد در گناه یعنی گناهی ازو بوجود آمد۔

هوز = پیروی کرد هوای نفسانی خود را۔

حطی = کم کرده گناه او به توبه کردن و استغفار۔

کلمن = کلام کرده بکلمه پس قبول شد توبه او۔

سعفص = تنگ شد برو دنیا پس ریخته شد برو۔

قرشت = اقرار کردن بگناه خویش پس شرف بکرامت یافت۔

ثخذ = گرفت از حق تعالی قوت را۔

ضظغ = بند شد ازو نزع شیطان بعزیمت ای بکلام و حق و توحید،

بعضے نوشته که:

ابا جاد نامی شاهی بود که ابجد مخفف آنست وهفت کلمات باقی اسمای فرزندان اوست۔

ودر رساله ضوابط عظیم معنی هر هشت الفاظ مذکوره چنین نوشته:

ابجد۔ آغاز کرد، هوز۔ در پیوست، حطی۔ واقف شد، کلمن۔ سخنگو شد، سعفص۔ ازو آموخت، قرشت۔ ترتیب کرد، ثخذ۔ نگاه داشت، ضظغ۔ تمام کرد۔ (۲۸)

فرہنگ آصفیہ میں بھی ضوابط عظیم کے حوالے سے ہی بزبان اردو ان الفاظ کے معنی مندرجہ ذیل دئے گئے ہیں:

''ابجد یعنی شروع کیا، ہوز یعنی مل گیا، حطی یعنی واقف ہوا، کلمن یعنی متکلم ہوا، سعفص یعنی اس سے سیکھا، قرشت یعنی ترتیب دیا، ثخذ یعنی محفوظ رکھا اور ضظغ یعنی تمام کیا۔'' (۲۹)

عربی زبان میں ان حروف کی قیمت ان آٹھوں الفاظ کے حروف کے لحاظ سے بالترتیب اکائی کے زمرے میں ایک سے ۹ تک ایک ایک کر کے قیمت بڑھاتے جایئے۔ دہائی یعنی دس آجانے پر اگلے حروف کی قیمت دہائی کے حساب سے ہی بڑھائی جائے گی اسی طرح سیکڑہ یعنی سو کی قیمت آجانے پر یہ سلسلہ سیکڑے میں آگے بڑھے گا جو ایک ہزار پر ختم ہو جاتا ہے۔ جس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

ا ب ج د ہ و ز ح ط ی ک ل م ن س ع ف ص

۱ ۲ ۳ ۴ ۵ ۶ ۷ ۸ ۹ ۱۰ ۲۰ ۳۰ ۴۰ ۵۰ ۶۰ ۷۰ ۸۰ ۹۰

ق ر ش ت ث خ ذ ض ظ غ

۱۰۰ ۲۰۰ ۳۰۰ ۴۰۰ ۵۰۰ ۶۰۰ ۷۰۰ ۸۰۰ ۹۰۰ ۱۰۰۰

ان ہندسوں کا حساب خود اس بات کا متقاضی ہے کہ اس علم میں جوڑنے، گھٹانے یہاں تک کہ ضرب اور تقسیم کی بھی ضرورت کو سمجھا جائے اور اس علم میں ادب کے ساتھ ساتھ حساب کو بھی اہمیت دی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخ گوئی کے اس طریقے کو جس میں حروف ابجد کا استعمال ہوتا ہے اصطلاحاً ''علم جُمل'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ فرہنگ آصفیہ میں جس کے مندرجہ ذیل معنی تحریر کئے گئے ہیں۔ (۳۰)

''اسم مذکر۔ حروف ابجد کے اعداد کا حساب، حساب ابجد جو اس قطعہ سے ظاہر ہے ؎

تو ابجد سے حطی تک ایک ایک گن ۔۔۔ مگر تا بہ سعفص دے دس دس بڑھا

پھر آگے سے سو سو فزوں کر کے یار ۔۔۔ دل اپنا جمل سے لے نادر چھڑا

اور غیاث اللغات میں بھی اسی طرح کی عبارت ملتی ہے:

"جمل بضم جیم و تشدید و فتح میم بمعنی حساب اعداد حروف ابجد و باین معنی به تخفیف میم نیز آمده" (۳۱)

غیاث اللغات کی روشنی میں یہ لفظ ''جُمّل'' ہے۔ عربی میں اسے اسی طرح لکھا اور پڑھا جاتا ہے۔ لیکن اردو زبان میں نادر کے قطعے اور فرہنگ آصفیہ کے تلفظ میں یہ بلا تشدید کے رائج ہو گیا ہے۔ حساب جمل کب اور کس نے ایجاد کیا تھا ابھی تک یہ راز پردہ خفا میں ہے۔ لیکن اتنا پتہ ضرور ملتا ہے کہ یہودی اس علم سے زمانہ رسول خداؐ میں خوب واقف تھے۔ جیسا کہ ساحر لکھنوی کی کتاب میں درج ہے:

''یہ ایک قدیمی فن ہے۔ صدر اسلام میں عربوں میں اس کا وجود اس روایت سے ظاہر ہے کہ جب کچھ یہود حضور سرور کائنات رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، تو آپ نے دوران گفتگو سورہ بقرہ کی تلاوت کا آغاز فرمایا۔ جب یہود نے الم (الف لام میم) حروف مقطعات کی تلاوت سنی تو قاعدہ جمل سے حساب لگا کر اس نتیجے پر پہنچے کہ الم کے اعداد کے مطابق اسلام دنیا میں صرف اکہتر برس تک باقی رہے گا۔ لہٰذا ایسا دین اختیار کرنا بے کار ہے جس کی عمر اتنی مختصر ہو، مگر جب حضور (ص) نے دوسرے حروف مقطعات کی تلاوت فرمائی تو وہ حیران رہ گئے اور اپنی فکر کی غلطی کا احساس کیا۔'' (A۳۲)

عرب میں علم جمل کی اس قدامت کے باوجود عربی زبان کے شاعروں نے اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا

لیکن فارسی شعرا نے اس میں طرح طرح کی جدت طرازیاں کیں ان سب محرکات کے باوجود ابھی تک یہ بھی معلوم نہیں ہو سکا ہے کہ اس نظام پر شعر گوئی کا خیال سب سے پہلے کس دانشور یا شاعر کے دل میں آیا تھا۔ اتنا ضرور ہے کہ اس کی بتدریج ارتقائی شکلیں ہمارے سامنے موجود ہیں اس سے پہلے کہ ان ارتقائی منزلوں کا ذکر کیا جائے ضروری ہے کہ ''تاریخ گوئی کی'' معنوی صورت کا تفصیلی جائزہ لے لیا جائے:

معنوی تاریخ

فیروز اللغات میں معنوی کے معنی = منسوب بہ معنی۔ باطنی، ذاتی، اصلی تحریر کئے گئے ہیں۔ جس کا مطلب یہ کہ وہ معنی جو باطن میں ہے۔ یا ظاہر نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جس مصرع سے تاریخ نکلتی ہے اس کے باطن میں یعنی حروف کے اعداد میں اصلی معنی پوشیدہ رہتے ہیں جو حساب کے ذریعے سامنے آتے ہیں۔ گویا اعداد سے بحساب جمل سنہ یا سال کا اخراج کرنا۔ ساحر لکھنوی نے اس مفہوم کو اس طرح ادا کیا ہے:

''معنوی تاریخ اسے کہتے ہیں جس کی بنیاد حساب جمل پر ہوتی ہے اس میں قاعدۂ جمل سے حروف کے اعداد جمع کر کے تاریخ نکالی جاتی ہے۔ اس کو باطنی تاریخ بھی کہتے ہیں۔ حقیقت میں یہی فن تاریخ گوئی ہے۔''

میر نادر علی رعد نے بھی اس بات کی وضاحت کی ہے:

"معنوی آنست که سال مطلوب به حساب جمل از اعداد حروف ماده تاریخ بر آید، خواه از اعداد حروف زبر باشد یا از بینات، یا از هر دو عام ازین که از مجموعه اعداد جمله حروف ماده تاریخ سال مطلوب حاصل شود یا از اعداد بعضے حروف۔" (B۳۲)

غرض کہ حروف یا الفاظ (جو کہ حروف کا مجموعہ ہوتے ہیں) سے بحساب جمل کسی واقعے کی تاریخ کا حاصل کرنا۔ اس کی پہلی شکل آلم سے چھٹی صدی هجری تک حروف سے ہی ظاہر کی جاتی رہی ہے۔ جس کے متعلق پہلی مثال خاقانی کے ایک قصیدے سے حاصل ہوتی ہے جو جمال الدین اصفہانی وزیر موصل کی مدح میں لکھا گیا ہے۔

در سنه ثا، نون، الف به حضرت موصل
راندم ثا، نون، الف سرای صفاهان

مندرجہ بالا شعر میں خاقانی نے ''ثا'' کا استعمال نہ کر کے ثا، نون اور الف کا استعمال کیا ہے۔ ان حروف سے، (۵۰۰)+ن (۵۰)+الف (۱) ۵۵۱ھجری برآمد ہوتی ہے۔ ممکن ہے خاقانی کی نظر سے ابھی لفظی شکل

نہیں گزری ہو اور نا ہی اسے اس بات کا خیال آیا ہو کہ ان حروف کو ملا کر ایک با معنی خوبصورت لفظ ''ثنا'' جو قصیدے کی زبان سے کافی میل کھاتا ہے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ شیخ سعدیؔ کی تاریخ وفات دونوں صورتوں میں ملتی ہے جسے امیر دولت شاہ نے اس طرح رقم کیا ہے۔

شب آدینه بود و ماه شوال ‏ ‏ زتاریخ عرب خ ص ا سال
همان روح پاك شیخ سعدی ‏ ‏ بیفشاند از غبار تن پر و بال

ایضاً

همان روح پاك شیخ سعدی ‏ ‏ چو در پرواز شد از روی اخلاص
مه شوال بود و شام جمعه ‏ ‏ که در دریای رحمت گشت غواص
یکی پرسید سال فوت گفتم (۳۳) ‏ ‏ زخاصان بود ازان تاریخ شد "خاص"

خ+ص+ا = ۶۰۰+۹۰+۱ = ۶۹۱ھ انھیں حروف سے لفظ ''خاص'' بنا کر خاقانیؔ کی روایت کو اور مضبوط بنا کر آگے بڑھایا گیا۔ اس طرح نکالی گئی تاریخیں آٹھویں صدی هجری تک ملتی ہیں۔ امیر دولت شاہ سمرقندی نے علامہ قطب الدین شیرازی کی وفات پر ایک قطعہ اس طرح تحریر کیا ہے۔

بازیی کرد چرخ کج رفتار ‏ ‏ در مه روزه آه ازان بازی
ذال ویا رفته از گه هجرت (۳۴) ‏ ‏ رفت در پرده قطب شیرازی

ذال (۷۰۰) ویا (۱۰) یعنی ۷۱۰ھ میں شیرازی کا انتقال ہوا۔

ہر طرح کی صوری تاریخیں اور مندرجہ بالا طریقے یعنی حروف سے نکالی گئی تاریخیں تذکرۃ الشعرا از دولت شاہ سمرقندی ۸۹۶ھ اور میخانہ از ملا عبدالنبی فخر الزمان قزوینی ۱۰۲۸ھ میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ آٹھویں صدی ہجری جو حافظ شیرازی کا دور ہے اسی دور میں ہر سطح کے نمونے سامنے آنے لگے تھے اور یہی صدی تاریخ گوئی کے فن کو ایک نئی جہت سے متعارف کرانے کی صدی بھی ہے۔ جس میں حافظؔ شیرازی نے پہلی بار باقاعدہ تاریخیں قلمبند کیں اور انھیں اپنے دیوان کا حصہ بنایا حافظ شیرازی نے صوری اور معنوی دونوں طرح کی تاریخیں موزوں کی ہیں معنوی میں بھی حروفی اور لفظی دونوں طرح کی تاریخیں قلمبند کی ہیں۔ اسی آٹھویں صدی ہجری میں ''تاریخ'' گوئی کے خدوخال واضح ہونے لگے تھے گویا اس دور میں جہاں صوری تاریخوں کو افضلیت حاصل رہی وہیں حروف کی شکل میں بھی تاریخیں ملتی ہیں۔ حروف کے علاوہ ایک ''لفظ'' میں بھی تاریخ کے عدد کے برابر کے حروف شمار کر کے تاریخ نکالی گئی ہے۔ اسی صدی میں تاریخ گوئی کی وہ شکل بھی سامنے

آجاتی ہے جس نے آگے چل کر شاعری کی تمام اصناف سخن پر ہر طرح سے برتری حاصل کر لی تھی۔ یعنی ایک مکمل مصرع میں تاریخ کو اس طرح پرونا کہ ایک طرف جہاں اس مصرع سے تاریخ برآمد ہوتی ہو وہیں اسی مصرع سے واقعے کی نوعیت کا بھی پتہ چلتا ہو، مثلاً جب ممدوح حافظ شاہ شیراز، شاہ شجاع کے یہاں خلف اکبر کا ورود ہوا تو مولانا عمادالدین فقیہ کرمانی نے اس کی تاریخ ولادت برآمد کی۔ جیسا کہ ڈاکٹر قاسم غنی نے مطلع السعدین کے حوالے سے رقم کیا ہے:

"سلطان اویس در سال هفتصد و پنجاه و یك متولد شده صاحب مطلع السعدین در تاریخ خود آورده است که : مولانا عماد الدین فقیه کرمانی در تاریخ ولادت او گوید:

طالع سعد ماه انور ملك　　در خور پادشاهی آمده است
چه عجب گر حروف تاریخش　　(۳۵) 'گهر بحر شاهی' آمده است

واو اولین فرزند شاه شجاع است و در تولد او شاه شجاع هیجده ساله بوده است۔"

"گهر بحر شاهی" یعنی شاہی سمندر کا موتی یا لعل۔ اور شاہی سمندر کا گہر سوائے اولاد کے اور کون ہو سکتا ہے۔ ان الفاظ سے ۷۵۱ھ برآمد ہوتی ہے۔

اسی زمانے میں یہ جدت بھی دیکھنے کو ملتی ہے کہ شاعر کی نظر جب عربی حروف کی گہرائی پر غور کرنے لگی جس میں فقط ایک "نقطہ" لگانے یا ہٹانے سے سیکڑوں اور ہزاروں کا فرق آجاتا ہے مثلاً ع کے عدد صرف ۷۰ (ستر) ہیں لیکن اگر اس پر ایک نقطہ لگا دیا جائے تو یہ نمبر ایک ہزار میں بدل جائیں گے۔ "ع" پر نقطہ لگانے سے "غ" بن جاتی ہے، جس کے ایک ہزار عدد ہوتے ہیں یہی کیفیت 'د' کے ساتھ بھی ہے جس پر ایک نقطہ بڑھانے سے 'ذ' بن جاتی ہے اور یہ عدد چار سے سات سو میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ شاعروں کی دور رس نگاہ نے اس طرز فکر سے فیض حاصل کیا اور تاریخ گوئی کو ایک نئی راہ سے آراستہ کیا چنانچہ دولت شاہ سمرقندی، خواجہ علی موید کی تاریخ وفات کے بارے میں رقمطراز ہیں:

"مدت هفت سال خواجه علی موید با صاحبقران مصاحب و ملازم بود و عزیزی در تاریخ وفات خواجه علی مویداین بیت می فرماید: ؎

بر دال محمد چو نهی یك نقطه　　تاریخ وفات نجم دین خواجه علیست۔" (۳۶)

یعنی اگر محمد کی دال پر ایک نقطہ رکھ دیا جائے تو خواجہ علی کی وفات کا سال معلوم ہو جائے گا۔ دال جس کی عددی قیمت صرف چار ہے اور اگر اس پر ایک نقطہ لگا دیا جائے تو اس کی قیمت میں ۶۹۶ عدد کا اضافہ ہو جائے گا۔ اور اس کی قیمت "سات سو" ہو جائے گی۔ یہی لفظ "محمد" جس کے صرف ۹۲ عدد ہوتے ہیں۔ ۷۸۸ میں تبدیل ہو جائے گا اور یہی ۷۸۸ھ خواجہ علی موید کا سال وفات ہے۔

ہندوستان میں بھی آٹھویں صدی ہجری میں تاریخ گوئی کا رواج ہو چلا تھا جس کا ثبوت اس دور کی دو اہم شخصیات کی تاریخ وفات کا معلوم ہونا ہے، ان میں سے ایک محبوب الٰہی نظام الدین اولیا ہیں تو دوسرے انھیں کے خلیفہ اور فارسی زبان کے بزرگ ترین شاعر خسرو دہلوی ہیں۔ دونوں کی وفات کا سال ۷۲۵ھ ہے۔ نظام الدین اولیاء چونکہ دین کی اشاعت میں بھی غیر معمولی دلچسپی لے رہے تھے اور دین محمدؐ کے تمام رموز سے واقف تھے لہٰذا تاریخ وفات میں ان کی شخصیت کے اس پہلو کو اجاگر کیا گیا ہے۔ نظام الدین اولیاء کی تاریخ وفات سلطان علاء الدین خلجی کی تعمیر کردہ مسجد کی دیوار پر آج بھی کندہ ہے۔

نظام دو گیتی شه ماء و طین　　سراج دو عالم شده بالیقین
چو تاریخ فوتش بجستم زغیب　　ندا داد هاتف "شهنشاه دین"

۷۲۵

"شہنشاہ دین" سے سال وفات ۷۲۵ھ واضح ہو جاتا ہے۔ یہاں ایک شک کی گنجائش یہ ضرور پیدا ہو جاتی ہے کہ یہ قطعہ وفات اسی دور میں کہا گیا تھا یا بعد میں تحریر کیا گیا۔ جیسا کہ امیر خسرو کی تاریخ وفات کے بارے میں معلوم ہے کہ یہ تاریخ مولانا شہاب معمائی نے نکالی تھی جو ان کے مزار پر ایک کتبہ کی شکل میں جڑی ہوئی ہے۔ جس کے آخری چار مصرعے اس طرح ہیں:

؎ از پی تاریخ سال فوت او　　چون نهادم سر بزانوی خیال
شد "عدیم المثل" یك تاریخ او　　دیگری شد "طوطی شکر مقال"

۷۲۵

خسرو کی تاریخ کے بارے میں ثبوت ملتے ہیں کہ یہ دسویں صدی ہجری میں برآمد کی گئی ہے۔ لیکن نظام الدین اولیاء کی تاریخ وفات کی بات تحقیق طلب ہے۔

غرض کہ آٹھویں صدی ہجری سے دسویں صدی ہجری تک کے سفر میں "معنوی" تاریخیں کہنے والے شاعروں نے فارسی ادب میں غزل، قصیدہ، مثنوی اور رباعی گو شاعروں جیسا مقام و مرتبہ حاصل کر لیا۔ اس

سے پہلے کہ اس دور کی تاریخوں پر بحث کی جائے۔ تاریخ گوئی کے لئے بنائے گئے اصولوں پر بھی سیر حاصل بحث کی ضرورت ہے۔

فارسی تاریخ گوئی کے لئے پہلا مسئلہ فارسی کے اپنے چار حروف ''پ چ ژ اور گ'' کی اعدادی قیمت کا تھا۔ کیوں کہ ابجدی نظام میں یہ حروف موجود نہیں ہیں۔ لہٰذا ایک قاعدہ یہ ترتیب دیا گیا کہ نظام ابجد کے جو حروف ان فارسی حروف سے قبل صرف نقطوں کی تبدیلی کے ساتھ موجود ہیں ایک سی شکل وصورت کی بنا پر اسی قیمت پر استعمال کئے جائیں جس کے نتیجہ میں ب کے بعد پ، ج کے بعد چ، ز کے بعد ژ، اور ک کے بعد گ کی صورت نمایاں ہوتی ہے۔ لہٰذا ب کی طرح پ کی قیمت بھی ۲ عدد، ج کی طرح چ کی قیمت ۳ عدد، ز کی طرز پر ژ کی قیمت ۷ عدد اور ک کی طرز پر گ کی قیمت ۲۰ عدد کے برابر گردانی گئی۔ اس مسئلے کے علاوہ حروف سے متعلق چند مسائل اور بھی ہیں جن کے بارے میں ابھی تک کوئی حتمی فیصلہ نہیں ہو سکا ہے۔ ان میں سے نمبر (۱) ہمزہ، نمبر (۲) الف مقصورہ وممدودہ، نمبر (۳) تاے مدورہ (ۃ)، نمبر (۴) مشدّد حروف پر ہی گفتگو کی جا رہی ہے۔

(۱) ہمزہ (ء) جو عربی زبان میں الف کی جگہ استعمال ہوتی ہے۔ لہٰذا عربی میں اس کا ایک ہی عدد شمار کیا جاتا ہے لیکن اہل جمل نے ہمزہ کا کوئی عدد مقرر نہیں کیا ہے اور نا ہی ہمزہ حروف ابجد میں شامل ہے فارسی زبان میں ہمزہ کا استعمال بطور اضافت اور مصوتے کی آواز کو دوبالا کرنے کے لئے کیا جاتا ہے۔ تاریخ کہنے والوں نے ہمزہ کا استعمال اضافت کے طور پر کیا تو ہے لیکن اس کے عدد شمار نہیں کئے ہیں۔ لیکن بطور مصوتہ جہاں یہ عدد شمار کئے گئے ہیں وہاں ہمزہ کی جگہ ی کو دے دی گئی ہے۔ مثال کے طور پر جب عبدالنبی نے ۱۰۰۰ھ میں اپنا تذکرہ ''میخانہ'' مکمل کر لیا تو اس کی تاریخ :

ع "بادہ" در "میخانۂ رندانہ" سے برآمد کی

مندرجہ بالا مصرع میں ''میخانۂ رندانہ'' دونوں ''ہ'' پر ہمزہ موجود ہے لیکن کسی ہمزہ کے بھی نمبر شمار نہیں کئے گئے ہیں۔ بادہ=۱۲+ میخانہ=۷۰۶+ رندانہ=۳۱۰=۱۰۲۸ھ

فارسی میں عام طور پر ہمزہ (ء) کی جگہ ''ی'' کے اعداد شمار کئے جاتے ہیں جیسا کہ طہماسپ قلی کے مندرجہ ذیل شعر سے ثابت ہے جس کے دونوں مصرعوں سے الگ الگ ۱۰۴۳ اعداد برآمد ہوتے ہیں۔

بصد تزئین بلوح محمل شاہ	رقم دیدم قران مہر با ماہ
۱۰۴۳	۱۰۴۳

مندرجہ بالا شعر میں لفظ ''تزئین'' ایک ساتھ دو مصوتے ہونے کے باعث ایک مصوتہ ہمزہ میں تبدیل ہونا چاہیئے تھا مگر فارسی میں یہ رواج بہت کم دیکھنے کو ملتا ہے اسی بنا پر مندرجہ بالا شعر میں دونوں جگہ ''یا'' کے ہی عدد شمار کئے گئے ہیں۔ جدید فارسی حروف میں ایرانی محققین اور دانشوروں نے فارسی حروف میں ہمزہ کے وجود سے ہی انکار کر دیا ہے۔ لہٰذا اب طاؤس، طاووس لکھا جاتا ہے۔ اس قبیل کے تمام الفاظ اسی طرح لکھے جاتے ہیں۔ اور ان حروف کے اعداد خود بخود دو بار شمار ہو جاتے ہیں۔

(۲) تیسرا مسئلہ ''الف'' کی اقسام کا ہے کہ الف ممدودہ یا الف مقصورہ جن کی مکمل آواز الف کی ہوتی ہے جیسے آمدن، آمنہ، آسایش وغیرہ اسی طرح الف مقصورہ جس کا استعمال فارسی میں عربی الفاظ کے داخل ہونے کی بنا پر بکثرت موجود ہے جیسے اسحٰق، رحمٰن، اسمٰعیل اس کی ایک دوسری قسم ''ی'' پر الف بھی ہے جیسے موسیٰ عیسیٰ، مصطفیٰ، مرتضیٰ وغیرہ۔ الف ممدودہ عروضی نقطہ نظر سے ''سبب خفیف'' ہے جس کا مطلب ہے ایسے دو حرفی الفاظ جن کا پہلا حرف متحرک اور دوسرا ساکن ہو یہی وجہ ہے کہ ''آ'' کا وزن فا، فع، مُس یا لن کے وزن پر شمار کیا جاتا ہے۔ اس کے باوجود تاریخ گوئی میں الف ممدودہ کو صرف ایک الف شمار کر کے اس کے ''دو'' عدد شمار نہیں کئے جاتے ہیں بلکہ ایک عدد ہی شمار کیا جاتا ہے۔ بطور مثال ملا نامی طہرانی کی وہ مشہور تاریخ پیش کی جاتی ہے جو انھوں نے ۹۲۵ میں ملا امیدی کے قتل ہونے پر برآمد کی تھی۔

''نادر العصر امیدی مظلوم	کہ بنا حق شہید شد ناگاہ
شب بخواب من آمد وفرمود	کای زحال درون من آگاہ
بھر تاریخ قتل من بنویس	آہ از خون نا حق من آہ''
۹۲۵	(۳۷)

مندرجہ بالا تاریخ میں دو جگہ الف ممدودہ کا استعمال کیا گیا ہے اور دونوں ہی مقام پر ''آ'' کا صرف ایک عدد شمار کیا گیا ہے۔

آہ از خون ناحق من آہ

$6 + 8 + 656 + 159 + 90 + 6 = 925$ھ

اسی طرح ان الفاظ میں جن پر الف مقصورہ (یٰ) ہوتا ہے اس الف کے عدد شمار نہیں کئے جاتے ہیں۔ ان میں سے بہت سے الفاظ ایسے بھی ہیں جن کا املا دو طرح سے رائج ہے مثلاً رحمٰن ورحمان۔ اسمٰعیل واسماعیل، اسحٰق و اسحاق ان سبھی الفاظ میں تحریری صورت پر عمل کیا جائے گا۔ اگر الف، مقصورہ نہ لکھ کر اپنی اصل صورت میں لکھا جائے گا تو یقیناً اس کا ایک عدد شمار کیا جائے گا۔ جیسا کہ حافظ شیرازی نے اپنے ممدوح خاص ''شاہ شجاع'' کی

تاریخ وفات "رحمان لایموت" سے مندرجہ ذیل قطعے میں برآمد کی ہے۔

"رحمان لا یموت چو آن پاد شاه را / دید آن چنان کزو عمل خیر لا یفوت

جانش غریق رحمت حق کرد تا کند / تاریخ این معامله "رحمان لا یموت"

شاہ شجاع کا انتقال ۷۸۶ھ میں ہوا تھا۔ یہ اعداد حاصل کرنے کے لئے حافظ نے رحمٰن کو "رحمان" کے املے کے ساتھ استعمال کیا، جس کے

ر ح م ا ن ل ا ی م و ت

۲۰۰+۸+۴۰+۱+۵۰+۳۰+۱+۱۰+۴۰+۶+۴۰۰=۷۸۶

لیکن جب یہ الف بطور مقصورہ لکھا جائے گا تو اس کا عدد شمار نہیں کیا جائے گا جیسا کہ محمد مسعود ولد آقا زمان زرکش نے شاہ عالم شاہ سلیمان کا سال جلوس مندرجہ ذیل قطعے میں برآمد کیا ہے۔

شکر خدا که از کرم مرتضیٰ علی / شد کامیاب شاه سلیمان جم سپاه

سال جلوس او طلبیدم زعقل گفت / شاهنشه زمان و سلیمن دین پناه (۳۸)

اس رباعی میں سلیمان کا املا "سلیمن" تحریر کیا گیا ہے۔ لہٰذا الف کا عدد شمار نہیں کیا جائے گا کیوں کہ یہ تاج پوشی ۱۰۷۷ھ میں ہوئی تھی جس کا شمار مندرجہ ذیل ہے۔

شاهنشه زمان و سلیمن دین پناه

۶۶۱ + ۱۰۴ + ۱۹۰ + ۱۲۲ = ۱۰۷۷

یہ ان الفاظ کا استعمال تھا جن پر "الف" ہونے کے باوجود تلفظ میں خود ان الفاظ کی آواز بھی موجود تھی لیکن یہی "الف" جب "ی" پر لگا دیا جاتا ہے تو "ی" کی آواز الف کی آواز میں مدغم ہو جاتی ہے اور خود "ی" کی کوئی آواز باقی نہیں رہتی جیسے لیلیٰ تحریر کرنے پر مکتوبی صورت میں "ی" موجود ہے لیکن پڑھنے میں اسے صرف "لیلا" پڑھا جائے گا اس کی قرأت "لیلیا" نہیں کی جائے گی اس کے باوجود ایسے الفاظ میں "الف" کے اعداد شمار نہ کر کے "ی" کے ہی اعداد شمار کئے جائیں گے اور یہ اصول اس قبیل کے سبھی الفاظ پر لاگو ہوگا مثلاً مرتضیٰ، مصطفیٰ، مجتبیٰ، عیسیٰ، موسیٰ وغیرہ۔ مثال کے لئے تذکرہ نصر آباد کے مصنف نے خود "هشت بهشت" عمارت کے تیار ہونے پر کتنے ہی تاریخ کے مصرعے نکالے تھے جن میں سے ایک شعر مندرجہ ذیل ہے۔

"از لب شکر لیلیٰ لعلیش / شد از آینه جان به کاشیش

۱۰۸۰ ۱۰۸۰ (۳۹)

یہ دونوں مصرعے ۱۰۸۰ھ کی تاریخ کے لئے تحریر کئے گئے ہیں۔ جس کے پہلے مصرعے میں "لیلیٰ" کا استعمال کیا گیا ہے جس میں لیلیٰ کے "ای" اعداد شمار کئے گئے ہیں۔

از لب شکر لیلی لعلیش

۴۰+ ۵۲۰+ ۸۰+ ۴۴۰=۱۰۸۰

اسی طرح اشرف مازندرانی نے اپنی دادی کی تاریخ وفات میں "جنت الماویٰ" کا مندرجہ ذیل استعمال کر کے "ی" کے ہی دس عدد شمار کئے ہیں۔ (۴۰)

"گفت در تاریخ هجرانش دل حسرت نصیب / وعده دیدار یا رب جنت الماوی بود"

وعده دیدار یارب جنت الماوی بود

۸۵ + ۲۱۹ + ۲۱۳ + ۴۵۳ + ۸۸ + ۱۲ = ۱۰۷۰

ان دونوں مصرعوں سے ثابت ہوتا ہے کہ الف کی آواز میں قرأت کرنے کے باوجود "ی" کے ۱۰ عدد ہی شمار کئے جاتے ہیں۔

(۳) تای مدورہ (ۃ) تای مدورہ عربی الفاظ کے آخر میں استعمال کی جاتی ہے۔ جس کی صورت ہای ہوز کی طرح گول ہوتی ہے لیکن اس پر دو نقطے بھی لگے ہوتے ہیں جیسے زکوٰۃ، صلوٰۃ وغیرہ قرآن مجید میں جس مقام پر اس کا استعمال جملے کے آخر میں ہوا ہے اس کی آواز ہائے ہوز میں تبدیل ہو گئی ہے۔ جس سے نقطوں کی کوئی اہمیت نہیں رہ جاتی ہے یہ حرف عربی زبان کا ہوتے ہوئے بھی نظام ابجد میں استعمال نہیں کیا گیا ہے اسی لئے اس کا کوئی عدد مقرر نہیں ہے۔ اس حرف کی دو جداگانہ آوازیں ہونے کی بنا پر اس کے اعداد میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے لیکن اس کی مکتوبی شکل کے مطابق نقطے لگے ہونے پر "تای قرشت" مان کر ۴۰۰ عدد اور نقطے نہ ہونے پر ہاے ہوز مان کر پانچ عدد شمار کئے جاتے ہیں۔ یہی صحیح بھی ہے کیوں کہ قاعدہ جمل میں مکتوبی حروف کی حیثیت ملفوظی حروف سے زیادہ اہمیت کی متقاضی ہے یعنی صرف انھیں حروف کے عدد شمار کئے جانے چاہئے جو لکھنے میں آتے ہیں پڑھنے والوں کے حروف شمار نہیں کئے جاتے جیسا کہ الف مقصورہ کے باب میں "یا" اور "الف" کی بحث میں ثابت کیا جا چکا ہے۔ مثال میں محمد طاہر نصر آبادی کی تاریخ پیش کی جاتی ہے جو موصوف نے "هشت بهشت" کی تعمیر مکمل ہونے پر تحریر کی تھی۔

"آنکه مقصود وی از عمر وحیوة / بندگی ره شه باطاعات

۱۰۸۰ ۱۰۸۰ (۴۱)

پہلے مصرع میں حیٰوۃ میں تائی مدورہ ہے۔ جس کی آواز تائے قرشت جیسی بہت نمایاں ہے کیوں کہ یہ طاعات کا قافیہ بھی ہے۔ عام چلن میں ''حیٰوۃ'' کو حیات لکھا جاتا ہے لیکن نصرآبادی نے اسے تائے مدورہ (ۃ) لکھا ہے۔ اور اس کے عدد ۴۰۰ (چارسو) شمار کئے ہیں۔ مصرع گذشتہ میں ''جنۃ الماوی'' کو ''جنت الماوی'' ہی لکھ کر اس کی ''ت'' کے چارسو عدد شمار کئے گئے تھے۔ درگاہ علی برید جو دکن کے شہر بیدر میں واقع ہے اس کے گنبد کی قطعہ تاریخ ایک کتبہ پر اس طرح لکھی ہوئی ہے:

"بانی این گنبد گردون مثال — شاہ فرخندہ برید نیک خو
مصرع آخر کہ تاریخ بناست — نام گنبد : قبۃ الانوار گو

۹۸۴

اس تاریخ میں بھی ''ۃ'' کے چارسو عدد شمار کئے گئے ہیں کیونکہ سیکڑے والے حروف صرف ''ق ۃ اور ر'' ہی موجود ہیں۔ غرض کہ یہ تائی مدورہ جس طرح لکھی جائے گی اسی حساب سے اس کے عدد شمار کئے جائیں گے۔

(۴) مشدد حروف: مشدد حروف کا مطلب ہے کہ الفاظ میں کسی ایک حرف کو ایک بار تحریر کر کے دوبار پڑھنا جس کا پہلا جز ساکن اور دوسرا متحرک ہوجاتا ہے۔ مثلاً اللہ کا درمیانی ''ل''، جنّت میں ''ن'' اسی طرح کے الفاظ سنّت، ملّت، حجّت، وغیرہ بھی مستعمل ہیں۔ کچھ الفاظ ترکیب یا اضافت کی بنا پر بھی مشدد ہوجاتے ہیں جیسے ''رب'' +علی اسے ''ربِّ علی'' پڑھا جائے گا۔ اسی طرح ''ظلّ +ھما'' پڑھا جاتا ہے۔ یہاں بھی گذشتہ اصول پر کاربند رہتے ہوئے مکتوبی شکل دیکھی جائے گی جس میں یہ صورت ''ایک'' ہوگی ''دو'' نہیں۔ لہٰذا صرف ایک بار ہی ایسے حروف کے عدد شمار کئے جائیں گے جیسے ''اللہ'' کے صرف ''چھیاسٹھ'' عدد منظور کئے گئے ہیں۔ ملا منیر بخاری نے بابر بادشاہ کی ولادت کی تاریخ اس کی اصل تاریخ پیدایش چھ محرم یعنی ''شش محرم'' سے برآمد کی ہے۔

"چو در شش محرم آمد شہ مکرم — تاریخ سال او هم آمد "شش محرم" (۴۲)

''شش=۶۰۰ +محرم=۲۸۸=۸۸۸'' محرم کی ''ر'' مشدد ہے لیکن اس کا شمار ایک بار کیا گیا ہے جو کہ اس کی مکتوبی صورت ہے۔ کبھی کبھی شاعر اپنی حسابی مجبوری کی بنا پر ایسے مشدد حروف کے عدد دو بار بھی شمار کر لیتا ہے جو قاعدے کے خلاف ہے اس کی مثالیں شاذ و نادر ہی نظر آتی ہیں۔ جیسا کہ میر علی شیر نے ملا جامی کی وفات پر تاریخ برآمد کی ہے۔

"کاشف سر الٰهی بود بیشک زان سبب

گشت تاریخ وفاتش ''کاشف سر اللہ'' ۸۹۷ (۴۳)

اس مصرع میں ''سر'' کی ''ر'' مشدد ہے اور اس کے عدد دو بار شمار کر کے چار سو لئے گئے ہیں۔ جو اس طرح ہوتے ہیں۔

ک ا ش ف س ر ر ا ل ہ

۲۰+۱+۳۰۰+۸۰+۶۰+۲۰۰+۲۰۰+۱+۳۰+۵=۸۹۷

''میخانہ'' میں عبدالنبی جامی کی وفات کی تاریخ ۸۹۸ھ تحریر کی ہے اور قرآن شریف کی آیت: ''وَمَن دَخَلَهُ كَانَ آمِناً'' سے تاریخ برآمد کی ہے۔ ممکن ہے میر علی شیر نے اللہ کے ''الف'' مقصورہ کا ایک عدد شمار کر کے ایک اور خطا کی ہو لیکن طاہر نصرآبادی نے ۸۹۷ کی طرف ہی اشارہ کیا ہے۔ بہر حال مشدد حروف کے عدد ایک بار ہی شمار کئے جانا چاہئے۔ دو بار شمار کرنا خلاف قاعدہ ہے۔

ان چند لازمی اصولوں سے واقف ہونے کے بعد معنوی تاریخوں کو آسانی سے سمجھا جا سکتا ہے۔ ان تاریخوں کی اہمیت ایران و ہندوستان کی سیاسی تاریخ سمجھنے میں خاصی کارآمد ثابت ہوسکتی ہے کیوں کہ دور گذشتہ کی بہت سی عمارتوں، اور سیاسی حالات کی عکاسی بھی تاریخی مصرعوں میں واضح طور پر نمایاں ہے۔ کتنے ہی بادشاہوں کی ولادت، وفات، جلوس، قتل، امان اور رفاہ عام سے متعلق تاریخیں بھی قطعہ تاریخ کی شکل میں محفوظ کرلی گئی ہیں دوسرے باب میں جن کا تفصیلی جائزہ پیش کیا جائے گا۔ یہاں معنوی تاریخ گوئی کی چند مثالیں پیش کر کے اس کی اقسام پر بحث کرنا زیادہ بہتر ہوگا۔

تاریخ گو شاعروں اور ان کے ناقدوں نے معنوی تاریخ کو صرف تین حصوں میں منقسم کیا ہے۔ معنوی تاریخ کے اقسام:

(۱) سالم العدد
(۲) تعمیہ' تدخلہ
(۳) تعمیہ' تخرجہ

(۱) سالم تاریخ:

سالم تاریخ سے مراد ایسی تاریخ ہے جس کے جملے، لفظ، یا مصرع سے مکمل تاریخ برآمد ہوتی ہو۔ معنوی تاریخ کی یہی صورت زیادہ بہتر اور مقبول عام ہے۔ اس قسم کی تاریخ نکالنے کے لئے استعمال کئے گئے لفظ، جملے، مصرع یا مصرع کے جز کے حروف کے عدد کسی وقوع پذیر واقعے کے سال یا سنہ کے برابر نکل آتے ہیں۔ اسی طرح کی تاریخ نکالنے کا چلن نوے فی صد سے زیادہ دکھائی دیتا ہے۔ مثلاً ۹۵۱ھ میں جب ہمایوں

شیر شاہ سوری سے شکست پا کر ایران کے بادشاہ کی پناہ میں پہنچا تو محتشم کاشی نے اس واقعے کی ایک شاندار تاریخ نظم کی جس کے دو شعر درج کیے جاتے ہیں۔

"از یك طرف همای همایون که کام دهر
جست از رکاب بوسی او گشت کامیاب
تاریخ آن قران طلبیدم زعقل گفت
بوسید کامجوی جهان شاه را رکاب" (۴۴)

آخری مکمل مصرع "بوسید کامجوی جهان شاه را رکاب" سے ۹۵۱ھ سالِ واقعہ کے عدد برآمد ہوتے ہیں:

بوسید	کامجوی	جہان	شاہ	را	رکاب
۸۲ +	۸۰ +	۵۹ +	۳۰۶ +	۲۰۱ +	۲۲۳=۹۵۱

اسی طرح اکبر نے جب ہیمو بقال کو شکست دی تو مصرع کے ایک مکمل حصے سے ایسی تاریخ برآمد کی گئی جو واقعے کے عین مطابق ہے۔ جو منتخب التواریخ میں ملا بدایوں نے درج کی ہے:

"زروی مکر و تزویر و دغا گر حضرت دهلی
به دست افتاد ناگه از قضا هیموی هندو را
جلال الدین محمد اکبر آن شاه فلك رفعت
به عون لطف حق بگرفت هندوی سیه رو را
دبیر صنع بر لوح بقا با خامه قدرت
رقم زد بهر سال فتح آن "بگرفت هیمو را"
۹۶۴ (۴۵)

اس مصرع کے آخری حصے "بگرفت هیمو را" سے جہاں واقعے کی نوعیت آشکارا ہے وہیں ۹۶۴ھ ھجری سنہ برآمد ہوتی ہے۔ یہ واقعہ اسی سنہ کا ہے۔

سالم العدد تاریخ میں اگر پورے مصرع سے تاریخ نکلتی ہو تو زیادہ بہتر ہے ورنہ ایک لفظ یا شعر کے ایک جز سے بھی تاریخ نکالی جاسکتی ہے لیکن شرط یہ ہے وہ مصرع کا حصہ حسب حال اور موزوں ہو جیسا کہ مندرجہ بالا مثالوں سے واضح ہے۔

(۲) تعمیۂ تدخلہ:

لغت میں تعمیہ کے معنی "چھپانا، ڈھانکنا، معما کہنا وغیرہ کے ہیں۔ (فیروز اللغات ص ۳۳۲) کیونکہ تعمیہ تاریخوں میں اصل عدد ظاہر کرنے کے لئے ایک شکل معمہ جیسی ہوتی ہے۔ کبھی کبھی تو یہ پہیلی اچھی خاصی مشکل طلب بھی ہو جاتی ہے اس لئے ایسی تاریخوں کو جن میں مطلوبہ عدد کی کچھ کمی یا زیادتی ہوتی ہے۔ تعمیہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اگر کسی تاریخ کے عدد میں کچھ کمی ہوتی ہے تو وہ شعر میں دئے گئے کسی اشارے سے پوری کی جاتی ہے۔ اگر اس میں کچھ عدد داخل کرنا ہوتے ہیں تو اسے تعمیہ تدخلہ کہتے ہیں یعنی داخل کرنے کا معمہ مثال کے طور پر صحف ابراہیم میں حسین خان زائر کی تاریخ وفات جو خواجہ عبداللہ تائید نے برآمد کی ہے پیش کی جاتی ہے:

"داشت چون زایر حسین لقب — آن سفر کرده زین سرای غرور
گشت تاریخ او زروی سداد — باشه کربلا ابد محشور" (۴۶)

مندرجہ بالا آخری مصرع سے ۱۱۲۲ عدد برآمد ہوتے ہیں لیکن زائر کی سال وفات ۱۱۸۲ھ ہے لہذا پہلے مصرع میں ایک اشارہ کیا گیا کہ "زروی سداد" سداد کے چہرہ سے یعنی سداد کے "س" کے ساٹھ عدد شامل کرنے پر یہ تاریخ ۶۰+۱۱۲۲=۱۱۸۲ ہو جاتی ہے اس خاص اشارے اور ساٹھ عدد داخل کرنے کی بنا پر اس طریقے کو تدخلے کا نام دیا گیا۔ اسی طرح ایک دوسری تاریخ جو گزرے ہوئے واقعے کی مناسبت سے نہایت موزوں ہے پیش کی جاتی ہے کہ جب شجاع الدولہ نواب اودھ اور حافظ رحمت خان نواب روہیلکھنڈ میں بریلی اور شاہجہانپور کے درمیان فتح گنج پوروی کے قریب "کسرک" نامی مقام پر جنگ ہوئی جس میں حافظ رحمت خان کو شکست ہوئی اور ان کا سر دھڑ سے الگ کر دیا گیا تو اس فتح کے موقع پر "سر قلم کرنے" کی رعایت سے کسی شاعر نے اسی فتح کے واقعے سے متاثر ہو کر تاریخ بیان کی جو تعمیہ تدخلہ کی خوبصورت مثال ہے:

"چو از لفظ "ظفر" جستند تاریخ — پی باقی سر "حافظ" بریدند

یعنی لفظ "ظفر" جس کے عدد ۱۱۸۰ ہوتے ہیں اس سے مطلوبہ سنہ ۱۱۸۸ حاصل کرنا چاہتے ہو تو "سر حافظ" حافظ رحمت خان کے سر یعنی "ح" جس کے آٹھ عدد شمار کئے جاتے ہیں لفظ "ظفر" میں داخل کر دئے جائیں تو ۱۱۸۰+۸=۱۱۸۸ھ مطلوبہ تاریخ حاصل ہو جائے گی۔ دوسرا مطلب واقعے کی عکاسی بھی ہے کہ اگر "حافظ" حافظ رحمت خان کا سر قلم کر دیا جائے تو اس جنگ میں فتح حاصل ہو جائے گی۔ تعمیہ کی ہی دوسری شکل تعمیہ تخرجہ ہے۔

(۳) تعمیہ تخرجہ:

یعنی خارج کرنا، کم کرنا۔ کسی مصرع، جملہ یا لفظ یا لفظوں سے تاریخ نکالنے کے لئے ان میں جتنے عدد سال مطلوبہ سے زیادہ ہوں ان کے کم کرنے کی طرف اشارہ کرنا جس کے عمل سے سال واقعہ برآمد ہو جائے۔ اس طرح کی تاریخیں نکالنے کا رواج نویں صدی ہجری کے اوایل میں ہی نظر آتا ہے جیسا کہ امیر تیمور کی سال وفات پر کہی گئی مولانا بہاء الدین جامی کی تاریخ سے واضح ہے۔

"تیمور که چرخ پیر را دل خون کرد　　　وز خون عدو روی زمین گلگون کرد

در هژده شعبان سوی علیین تاخت　　　فی الحال ز 'رضوان' سروپا بیرون کرد (۴۷)

اس رباعی کے مطابق ۱۸ رشعبان ۸۰۷ھ کو تیمور کا انتقال ہوا تھا۔ جس کے لئے شاعر نے پہلے "رضوان" لفظ کا انتخاب کیا پھر اس کا سر اور پیر باہر کرنے یعنی جدا کرنے کا اشارہ کیا۔ مکمل رضوان لفظ کے ۱۰۵۷ عدد ہوتے ہیں لیکن اس لفظ کا سر یعنی 'ر' اور پیر یعنی 'ن' الگ کرنے سے صرف "ضوا" بچ جاتا ہے ان "ض، واور الف" کے عدد ۸۰۷ ہو جاتے ہیں جو تیمور کا سال وفات ہے۔ شاعروں کو یہ طرز خاصہ بھایا۔ لہٰذا اسی طرح کی تاریخ میں عجب عجب طرح کی جدت طرازیاں دیکھنے کو ملتی ہیں ۸۰۷ ہجری کے بعد دسویں صدی ہجری میں خواجہ قوام الدین نے ۹۱۱ھ میں سلطان حسین مرزا کی وفات پر جو تاریخ کہی ہے اس میں ایک عجیب استعاراتی اشارہ کیا ہے۔

خراسان گشت تاریخ وفاتش　　　ولی سر وی برون رفت از خراسان (۴۸)

ایسے نادر اشارے فن تاریخ گوئی میں کم ہی نظر آتے ہیں۔ کہ "خراسان" تاریخ وفات ہو سکتی ہے اگر اس میں سے "سرو" باہر نکال دیا جائے۔ اگر غور کریں تو بظاہر خراسان سے سرو کا کوئی سروکار نہیں ہے۔ یہاں سرو کو استعاراتی نظام کے تحت بروی کار لایا گیا ہے۔ سرو کا پیڑ جو محبوب یا خوبصورت قد کی مثال ہے جو الف کی طرح لمبا ہے یعنی "الف" کے لئے سرو کا استعمال کنائے سے زیادہ مجاز اور استعارہ کا مزہ دے رہا ہے۔ جس کو سمجھنے کے لئے اس کے صنعتی نظام سے بھی واقفیت ضروری ہے لفظ "خراسان"، جس کے ۹۱۲ عدد شمار کئے جاتے ہیں اس میں سے ایک الف یعنی ا یک عدد کم کر کے ۹۱۱ھ سال وفات سلطان حسین مرزا تلاش کیا جا سکتا ہے۔ ابھی تک جو مثالیں پیش کی گئیں ہیں ان میں حروف کے کم کرنے کی بات کہی گئی ہے لیکن جیسے جیسے اس فن میں ترقی ہوتی گئی نئی نئی جدتیں سامنے آتی گئیں۔ لہٰذا حروف کی جگہ الفاظ سے الفاظ کم کرنے کی مثالیں سامنے آنے لگیں سلطان جغتای کی موت پر میرزا امانی نے ۹۵۲ھ میں جو تاریخ موزوں کی اس میں اسی طرح کی

اختراع کا آغاز کیا ہے۔ جیسا کہ تذکرہ نصرآبادی میں مرقوم ہے۔

"سلطان جغتا بود گل گلشن خوبی　　　ناگه سوی رضوان اجلش راهنمون شد

تاریخ وی از بلبل ماتم زده جستم　　　در ناله شد و گفت گل از باغ برون شد

مندرجہ بالا قطعے میں مراعاۃ النظیر کے خوبصورت پیرایہ میں ایک ماحول بنا کر کیا خوب کہتے ہیں کہ اس کی تاریخ غمزدہ ماتم کرتی ہوئی بلبل سے دریافت کی تو اس نے گریہ کرتے ہوئے جواب دیا کہ باغ سے گل جدا ہو گیا۔ یہاں قطعے کی صنعتی خوبیاں بیان کرنا مقصود نہیں ہے ورنہ باغ اور گل میں جو رشتہ ہے اور بلبل سے جو اس کی وابستگی ہے وہ اہل علم پر بہت واضح ہے۔ یہاں تو صرف اتنا ثابت کرنا مقصود ہے کہ اگر لفظ باغ سے جس کے عدد ۱۰۰۳ ہوتے ہیں۔ گل کے عدد جو صرف پچاس ہیں نکال دیے جائیں تو ۱۰۰۳-۵۰=۹۵۳ھ عدد باقی رہ جاتے ہیں۔ یہی سلطان کا سال وفات ہے۔

فن تاریخ گوئی کی مندرجہ بالا تینوں قسموں کے علاوہ ایک نئی قسم خود بخود سامنے آجاتی ہے جس میں تدخلہ اور تخرجہ دونوں قسموں کا استعمال بڑی خوبی سے کیا جاتا ہے۔ جب شاہجہاں بادشاہ نے ۱۰۵۶ھ میں بلخ کو فتح کیا تو اس کامیابی پر ایک جشن منایا گیا جس میں نصیر شیرازی نے اس پورے واقعے کو سال تاریخ برآمد کر کے ایک نظم میں پرو دیا۔ جس کی تفصیل پادشاہ نامہ جلد۲ میں اس طرح درج کی گئی ہے۔

"نصیر شیرازی در سال هزار و پنجاه وشش (۱۰۵۶ھ) در ملازمت شاهجهان بود و در تهنیت فتح بلخ و بدخشان بدست شاهزاده مراد بخش وفرار نذر محمد خان و جشن هشت روزه ای که از هشتم جمادی الاخره سال مزبور بدین مناسبت برپا شده بود، قطعه شعری متضمن تاریخ سروده وبه دریافت صله نایل گردیده است۔

شکر لله کز عنایات خداوند جهان　　　کرد فتح ملک توران سرور مالک رقاب

بادشاه غازی عادل شهنشاه جهان　　　آنکه کرد اورا جهان از جمله شاهان انتخاب

گشت در تسخیر عالم ثانی صاحبقران　　　ایزد اورا کرد در کشور ستانی کامیاب

ملک دلش عزم جهانگیری شبی گر بگذرد　　　گیرد اقبالش جهان را صبح پیش از آفتاب

سال این تاریخ جست از عقل دانشور نصیر　　　گفت با طبعش زراه تعمیه کای نکته یاب

"والی توران" بر آر از "ملک توران" وآنگهی　　　ثانی صاحبقران "بنشان به جایش کن حساب (۴۹)

یوں تو اس مقالے میں حوالہ جات سے گریز کیا گیا ہے لیکن واقعے کی پوری نوعیت سمجھے بغیر اس تاریخ کی اہمیت واضح نہیں ہو سکتی تھی اب جبکہ پورے واقعے سے جانکاری ہو چکی تو آخری مصرع کا لطف بھی پوری طرح لیا جا سکتا ہے۔ بلخ اور بدخشان کی جگہ توران کا استعمال کیا گیا ہے۔ لہٰذا ''ملک توران'' جس کے عدد ۷۴۷ ہوتے ہیں سے ''والی توران'' جس کے عدد ۷۰۴ ہوتے ہیں کو نکال کر ان کی جگہ شاہجہان یعنی ''ثانی صاحبقران'' جس کے عدد ۱۰۱۳ (ی کے عدد دو بار شمار کئے گئے ہیں) ہوتے ہیں کو بٹھا دیا جائے یعنی ۷۴۷-۷۰۴=۴۳+۱۰۱۳=۱۰۵۶ عدد ہو جاتے ہیں۔ اس مصرع میں پہلے تخرجہ کا استعمال کیا گیا ہے اس کے بعد تدخلہ کے ذریعے سال واقعہ نمودار ہوا ہے۔ سب سے بڑی خوبی یہ بھی ہے کہ اسی تخرجہ اور تدخلہ کی بنا پر جن الفاظ کا انتخاب کیا ہے ان سے پورے واقعے کی نوعیت بھی آشکار ہو جاتی ہے۔

فن تاریخ گوئی میں اس طرح جدت طرازی کے جداگانہ طریقوں کی بے حساب مثالیں موجود ہیں۔ یہاں انھیں مثالوں پر اکتفا کرتے ہوئے معنوی تاریخ گوئی کی دیگر صورتوں کی نشاندہی کی جاتی ہے جو صنعتوں کے ذریعے پیدا کی گئی ہیں۔

تاریخ گوئی میں صنایع بدایع کا استعمال

معنوی تاریخ گوئی میں سالم، تدخلہ اور تخرجہ کے علاوہ شاعروں نے اس صنف کو آسمان کی بلندی تک پہنچانے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی ہے انھوں نے اپنے زور تخیل سے قصاید اور غزل کا ہم پلہ اور ان سے مشکل صنف قرار دینے کی کامیاب کوشش کی ہے اور نئی نئی صنعتوں کا اضافہ کیا ہے۔ تاریخ گوئی میں رائج ان صنعتوں کو بطور مثال پیش کیا جا رہا ہے۔

(۱) صنعتِ منقوطہ: اس صنعت سے مراد ہے کہ کسی تاریخ میں صرف نقطے دار حروف کے عدد شمار کرنا۔ جس میں طہماسپ قلی، محمد کاظم حسین پھپھوندوی وغیرہ نے پورے پورے قصاید تحریر کئے ہیں جس کے ہر شعر کے نقطے دار حروف سے تاریخ برآمد ہوتی ہے۔ یہاں بطور مثال طہماسپ قلی کے قصیدے کا مطلع درج کیا جاتا ہے۔

بحمد الله که شد دیگر زسعی نایب سلطان
رواج اتم لای افزون حدود وصل آبادان

اس شعر میں منقوطہ حروف:

ش ی ز ی ن ی ب ن ج ت ی ف ز ن ب ن
ب ، ہیں جن سے

۳۰۰+۱۰+۷+۱۰+۵۰+۱۰+۲+ ۵۰+۳+۴۰۰+۱۰+۸۰+۷+۵۰+۲+۵۰ =۱۰۴۳ +۲ عدد برآمد ہوتے ہیں۔ یہ التزام اس قصیدے کے سبھی شعروں میں برتا گیا ہے۔

دوسری مثال محمد کاظم حسین پھپھوندوی کے قصیدے کے مطلع سے ہی پیش کی جاتی ہے یہ قصیدہ موصوف نے باون کدورہ اسٹیٹ کے نواب خواجہ محمد حسن خان کی مسند نشینی کی تہنیت کے سلسلے میں تحریر کیا تھا۔

ے دل او شاد کامد مدحش آرام دل دوران
کشاد کارها را شد سداد و داد او سامان

اس شعر میں منقوطہ حروف ش ن ش ن ش ن

۳۰۰ + ۵۰ + ۳۰۰ + ۳۰۰ + ۵۰ + ۳۰۰ =۱۳۰۰

سے سال مسند نشینی ۱۳۰۰ھ برآمد ہوتی ہے یہ التزام بھی اس قصیدے کے ہر شعر میں موجود ہے۔

یہاں تیسری مثال محتشم کاشی کی رباعی سے تحریر کرنا بھی ضروری ہے کہ اول تو رباعی کا کہنا ہی بارگراں اٹھانے کے برابر ہے پھر اس میں کسی واقعے کی تاریخ برآمد کرنا وہ بھی اس صنعت کے ساتھ جس میں صرف منقوطہ حروف سے تاریخ برآمد کی گئی ہو۔ محتشم کاشانی نے یہ رباعی شاہ اسمٰعیل ثانی کی تخت نشینی کے موقع پر لکھی تھی۔

ے می شد چو زصنع رازق پاک جلیل
ملک و ملک و فلک بدا را تحویل

ی ش چ ز ن ز ق ب ج ی — ف ب ت ی

۱۰+۳۰۰+۳+۷+۵۰+۷+۱۰۰+۲+۳+۱۰ — ۸۰+۲+۴۰۰+۱۰=۹۸۴

هر ملك و تجمل که اهم بود زفلك
دهر آن همه افگند بشاه اسمٰعیل

ت ج ب ز ف — ن ف ن ب ش ی

۴۰۰+۳+۲+۷+۸۰ — ۵۰+۸۰+۵۰+۲+۳۰۰+۱۰=۹۸۴

اس طرح اس رباعی کے دونوں مصرعوں کے نقطے دار حروف سے ۹۸۴ عدد برآمد ہوتے ہیں۔ اسی صنعت سے متضاد دوسری صنعت، صنعت مہملہ یا غیر منقوطہ ہے۔

(۲) صنعت مہملہ یا غیر منقوطہ: اس صنعت کے استعمال کے لئے صرف ان حروف سے سال تاریخ بر آمد کیا جاتا ہے جن پر نقطے نہیں ہوتے۔ یہ صنعت اس لئے بھی کچھ مشکل ہے کہ بے نقط الفاظ میں سیکڑے کی قیمت والے حروف نہیں ہوتے ہیں۔ صرف ایک ''ر'' ہے اس کی بھی قیمت دوسو عدد کے برابر ہے۔ اس کے با وجود غیر منقوطہ حروف کے مصرعوں سے تاریخ نکالنے جیسی مثالوں کی بھی فارسی تاریخ گوئی میں کمی نہیں ہے یہاں صرف دو مثالیں پیش کی جاتی ہیں پہلی مثال محتشم کاشانی کی رباعی سے ہے جو اس نے شاہ اسمٰعیل ثانی کی تاجپوشی کے جشن کے موقع پر سنائی تھی۔

ے از ملک ملوک ما درین بیت جلیل — کاراسته صد بلده از آیین جمیل

ا م ل ک م ل و ک م ا د ر ل ل

۳۰+۳۰+۲۰۰+۴+۱+۴۰+۲۰+۶+۳۰+۴۰+۲۰+۳۰+۴۰+۱

ک ا ر ا س ه ص د ل د ه ا ا م ل

۹۸۴=۳۰+۴۰+۱+۱+۵+۴+۳۰+۴+۹۰+۵+۶۰+۱+۲۰۰+۱+۲۰

هر گنج کز آبادی گیتی و دهور — گرد آمده باد وقف شاه اسمعیل

ه ر گ ک ا ا د گ و د ه و ر

+۲۰۰+۶+۵+۴+۶+۲۰+۴+۱+۱+۲۰+۲۰+۲۰۰+۵

گ ر د ا م د ه ا د و ا ه ا س م ع ل

۹۸۴=۳۰+۷۰+۴۰+۶۰+۱+۵+۱+۶+۴+۱+۵+۴+۴۰+۱+۴+۲۰۰+۲۰

دوسری مثال اسی محتشم کاشانی کے جواب میں تحریر کی گئی ایک رباعی کے صرف مطلع سے دی جاتی ہے جو مرزا مقیم تبریزی نے سارو تقی کی مدح میں تحریر کی تھی جس کا سال واقعہ ۱۰۴۴ھ ہے۔

ے ای دست بدامان علی عمران — دستور جم و بدل سلیمان زمان

ا د س د ا م ا ع ل ع م ر ا

+۱+۲۰۰+۴۰+۷۰+۳۰+۷۰+۱+۴۰+۱+۴+۶۰+۴+۱

د س و ر م و د ل س ل م ا م ا

۱۰۴۴=۱+۴۰+۱+۴۰+۳۰+۶۰+۳۰+۴+۶+۴۰+۲۰۰+۶+۶۰+۴

(۳) صنعت رعنا: رعنا دو رنگ کے پھولوں کو کہتے ہیں۔ یہاں منقوط و غیر منقوطہ یعنی حروف معجمہ سے الگ اور مہملہ سے الگ سال تاریخ نکالا جاتا ہے۔ فارسی تاریخ گوئی میں ایسی تاریخوں کی بھی کوئی کمی نہیں ہے۔ یہاں طہماسپ قلی کے ایک قصیدے سے مثال پیش کی جاتی ہے۔ ے

الهی تا ابد بادا ندانی قدر او برپا — تا بود عالم امل را جهد او سامان

مندرجہ بالا دونوں مصرعوں سے الگ الگ ۱۰۴۳ھ کے عدد شمار میں آتے ہیں۔ اور اس مکمل شعر کے معجمہ اور مہملہ حروف سے الگ الگ ۱۰۴۳ھ کے عدد بر آمد ہوتے ہیں جو سال واقعہ ہیں۔

منقوطہ حروف میں ''ی ت ب ب ن ی ق ب پ ی ت ب ج ن'' ۱۰۴۳ عدد بر آمد ہوتے ہیں۔

۱۰+۴۰۰+۲+۲+۵۰+۱۰+۱۰۰+۲+۲+۱۰+۴۰۰+۲+۳+۵۰=۱۰۴۳ عدد بر آمد ہوتے ہیں اسی طرح باقی غیر منقوطہ حروف سے بھی ۱۰۴۳ ہی بر آمد ہو جاتے ہیں۔

یہی طریقہ محتشم کاشی کی رباعی میں بھی ملتا ہے۔ جس کا مطلع بطور مثال پیش ہے۔ ے

این ساعی اگر چه باشد حِس قلیل — بی دانایی وراه علم و تحصیل

اس رباعی کے بھی ہر مصرع سے ۹۸۴ عدد نکلتے ہیں اور ہر شعر کے منقوطہ حروف سے بھی ۹۸۴ عدد شمار کئے جاتے ہیں۔ جب جب منقوطہ حروف سے یہ عدد نکل آتے ہیں تو غیر منقوطہ سے خود بخود یہی ۹۸۴ عدد بر آمد ہو جائیں گے۔ مندرجہ بالا مطلع کے منقوطہ حروف مندرجہ ذیل ہیں:

ی ن ی چ ب ش ز ق ی — ب ی ن ی ی ت ی

۱۰+۵۰+۱۰+۳+۲+۳۰۰+۷+۱۰۰+۱۰ — ۲+۱۰+۵۰+۱۰+۱۰+۴۰۰+۱۰=۹۸۴

اسی طرح ان اشعار کے نقط اور بے نقط حروف سے جداگانہ طور پر ایک ہی مادہ تاریخ بر آمد ہوتا ہے۔

(۴) صنعت موصل و غیر موصل: تاریخ گوئی میں اس صنعت کو کہتے ہیں جس میں حروف متصل سے الگ تاریخ نکالی جائے اور منفصل حروف سے ایک ہی مصرعہ یا شعر میں الگ تاریخ نکالی جائے گو کہ یہ صنعت نہایت مشکل ہے لیکن فارسی میں اس طرح کی مثالیں بھی موجود ہیں۔ مثال کے طور پر مولانا وحشی یزدی کی وہ تاریخ پیش کی جاسکتی ہے جو انھوں نے اپنی مشہور مثنوی ''ناظر و منظور'' میں درج کی ہے۔

"سزد که از پی تاریخ نظم وی گویم
دهی نظام در درج درس درج دول"

۹۶۶ (۵۰)

مندرجہ مصرع کے متصل اور منفصل حروف سے جداگانہ تاریخ ۹۶۶ھ برآمد ہوتی ہے۔ جس میں منفصل حروف:

د م و ر و ر ج د ر س د ر ج د و ل ہیں، جن کے عدد

۴+۴۰+۴+۲۰۰+۴+۲۰۰+۳+۴+۲۰۰+۶۰+۴+۲۰۰+۳+۴+۴+۶+۳۰=۹۶۶

ہوتے ہیں۔ اسی طرح متصل حروف کے عدد جمع کرنے پر: ھی+نظا+یعنی ۱۵+۹۵۱=۹۶۶ ہو جاتے ہیں۔

(۵) **صنعت الفرد والزوج**: اس صنعت میں مطلوبہ مصرع میں ایک ہی تاریخ دو بار برآمد کی جاتی ہے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ مصرع کے شروع سے ہی دوسرا حرف چھوڑ کر اسی ترتیب سے ایک حرف باہر کر کے دوسرے حرف کو لے کر پورے مصرع کے پہلے طاق حروف کو جمع کر لیا جاتا ہے۔ یعنی بالترتیب مصرع کے پہلے، تیسرے، پانچویں وغیرہ حروف جمع کر کے تاریخ کے عدد نکال لئے جاتے ہیں اس کے بعد اسی طرح جفت حروف یعنی دوسرے، چوتھے، چھٹے اس ترتیب سے حروف جمع کر کے سال تاریخ دوبارہ برآمد کر لیا جاتا ہے۔ مثلاً کسی شاعر نے ایک مصرع میں یہ کمال اس طرح دکھایا ہے۔ جس سے ۱۲۸۷ھ برآمد ہوتی ہے۔

فرخنده و فرخ شود شادی بملك آید بهی

اس مصرع کے طاق حروف مندرجہ ذیل ہوتے ہیں:

ف خ د و ر ش د ا ی م ک ی ب ی

۸۰+۶۰۰+۴+۶+۲۰۰+۳۰۰+۴+۱+۱۰+۴۰+۲۰+۱۰+۲+۱۰=۱۲۸۷

اسی طرح مندرجہ ذیل جفت حروف سے بھی یہی تاریخ برآمد ہوتی ہے۔

ر ن ہ ف خ و ش د ب ل ا د ہ

۲۰۰+۵۰+۵+۸۰+۶۰۰+۶+۳۰۰+۴+۲+۳۰+۱+۴+۵=۱۲۸۷

اس صنعت کا استعمال بہت کم کیا گیا ہے لیکن کسی کام کے دروازے بند نہیں ہوتے ممکن ہے آگے آنے والی نسل اس صنعت سے واقف ہو کر اس مشکل صنعت پر بھی تصرف حاصل کر سکے علم کے دروازے ہمیشہ وا ہی ہوتے رہتے ہیں بند نہیں ہوتے خصوصاً اس جدید اور سائنسی دور میں کون سا نیا علم سامنے آجائے سوچا نہیں جاسکتا۔

(۶) **صنعت ضرب**: اس صنعت میں تاریخ نکالنے کے لئے ایک یا دو الفاظ لکھ کر مطلوبہ سال تاریخ حاصل کرنے کے لئے ان الفاظ کے عدد کو کسی ایک عدد سے ضرب دے کر تاریخ برآمد کی جاتی ہے۔ ۱۰۵۹ھ میں جب ستارہ گڑھ فتح ہوا تو کسی شاعر نے اس فتح کی تاریخ صنعت ضرب میں حاصل کی۔

"جشن" سه باره گیر بفتح ستاره گڑھ نظاره کن جوانب و اطراف بوستان
این بیت را به تعمیه گیرد اگر کسی تاریخ با نقط شود از لفظ او عیان

لفظ "جشن" کے عدد کو اگر تین بار حساب میں رکھا جائے یعنی تین سے ضرب کیا جائے تو یہ تاریخ حاصل ہو جائے گی۔ جشن کے ۳۵۳ عدد ہوتے ہیں انھیں تین سے ضرب دینے پر ۳۵۳×۳=۱۰۵۹ عدد برآمد ہو جاتے ہیں۔ یہی ستارہ گڑھ کی فتح کا سال ہے۔

(۷) **صنعت تقسیم**: اس صنعت میں مطلوبہ سال تاریخ حاصل کرنے کے لئے دئے گئے اشارے کی مناسبت سے کسی لفظ کے عدد کو تقسیم کیا جاتا ہے۔ بابر کے انتقال پر کسی شاعر نے اس کی زندگی کی عکاسی کرتے ہوئے تاریخ وفات اس طرح حاصل کی تھی۔

"بابر شکست خورده در این کار زار زیست سه بار کم بکن چو "مساق غضیض" را

مندرجہ بالا شعر میں بابر کی خود اپنی دعا کو تازگی یا کلی سے تشبیہ دیتے ہوئے کلی کی طرح مرجھا جانا بتا کر جس کے عدد ۲۸۱۱ ہوتے ہیں، کو اگر تین بار کم کریں یعنی تین سے منقسم کریں تو ۲۸۱۱÷۳=۹۳۷ نو سو سینتیس مطلوبہ سال حاصل ہو جاتا ہے۔ جو بابر کی وفات کا سال ہے۔

(۸) **صنعت کامل**: ایک ہی مادے سے چند تاریخیں استخراج کرنا یا چند لگا تار مادوں سے تاریخیں نکالنا مثلاً ایک ہی تاریخ کے لئے ایک رباعی، قطعہ یا مکمل قصیدہ کہنا جس کے ہر مصرع سے مطلوبہ تاریخ کا سال حاصل ہوتا ہے۔ اس صنعت میں کبھی کبھی چند رباعیوں سے یا ایک ہی مادے سے ہزاروں طرح سے سال تاریخ برآمد کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً محتشم کاشانی کی کہی ہوئی وہ چھ رباعیاں جن سے ایک ہزار ایک سو اٹھائیس طریقے سے مطلوبہ سال تاریخ حاصل کیا جاسکتا ہے۔ یہ رباعیاں مندرجہ ذیل ہیں جو شاہ اسمٰعیل ثانی کی تخت نشینی کے وقت سنائی گئی تھیں۔

رباعی

اول می شدچو زصنع رازق پاک جلیل | ملک و ملک و فلک بدارا تحویل
هر ملک و تجمل که اهم بود زفلک | دهر آن همه افگند بشاه اسمٰعیل

دوم می کرد چو سکه حی صاحب تنزیل | نقدی که عیار بودش از اصل جلیل
سکه چو رسانید بتمیز ملوک | فرق که و مه داد بشاه اسمٰعیل

سوم در تکیه گه واسع این بزم جلیل | اندر دم امتیاز با سعی جمیل
دون شرک یکایک از جهاں بیند دور | فوق همه باد درگ شاه اسمٰعیل

چهارم از ملک ملوک ما درین بیت جلیل | کاراسته صد بلده از آیین جمیل
هر گنج کز آبادی گیتی و دهور | گرد آمده باد وقف شاه اسمٰعیل

پنجم این ساعی اگرچه باشد از حس قلیل | بی دانائی و راه علم و تحصیل
در هر فنش دلا به از اهل جهاں | دانند بلاف مهر شاه اسمٰعیل

ششم آن راهی که از حال سهیلست جمیل | از میل درو به که نمایم تعجیل
کاشوب و نوای فرح نو در دل | افگنده طرب نامهٔ شاه اسمٰعیل (۵۱)

مندرجہ بالا چھ رباعیوں میں ۲۴ مصرع ہیں ہر مصرع سے تاریخ جلوس برآمد ہو رہی ہے اس میں بھی التزام یہ رکھا گیا ہے کہ ہر رباعی کے شعر میں بے نقط اور نقط حروف سے بھی تاریخ سال برآمد ہوتی ہے اسی طرح کسی بھی مصرع کے عدد کسی بھی دوسری رباعی یا شعر کے مصرع کے عدد میں جمع کردئے جائیں تو بھی اس کے نقط اور بے نقط حروف سے تاریخ برآمد ہو جاتی ہے۔جس پر علم حساب کا مندرجہ ذیل فارمولہ لگانے سے سال تاریخ نکالنے کے کل طریقے اور تعداد حاصل ہو جاتی ہے:

$$S_n = \frac{n}{2}(a+l)$$

n=No of terms
a=1st term
l=last term

$$\frac{47}{2}(1+47) =$$

$$\frac{47 \times 48}{2} = 47 \times 24 = 1128$$

لہٰذا مندرجہ بالا چھ رباعیوں میں ایک ہزار ایک سو اٹھائیس طریقے سے ایک ہی تاریخ برآمد کی جاسکتی ہے۔
ایک قصیدہ جو طہماسپ قلی نے تحریر کیا تھا اسی میں بیس اشعار ہیں جس کے ہر مصرع سے مطلوبہ سنہ ۱۰۴۳ حاصل

ہوتا ہے۔اس قصیدے کے بھی ہر شعر کے منقوطہ اور غیر منقوطہ حروف سے تاریخ نکل آتی ہے اس طرح ہر مصرع کو قصیدے کے کسی بھی مصرعے میں ملا کر دیکھ لیجئے مطلوبہ سال حاصل ہو جاتا ہے۔جس کا مطلع اور آخری شعر مثال میں پیش کیا جا رہا ہے۔ مطلع :

بحمد الله که شد دیگر زسعی نایب سلطان | رواج اتم لای افزون حلود وصل آبادان

آخری شعر

همیشه فراو اقبال او با وقع وبا آئین | همیشه حاسد احوال او بیجا و سر گردان

اگر مندرجہ بالا فارمولے سے اس قصیدے سے حاصل ہونے والی تاریخ کی تعداد حاصل کی جائے تو

$$\frac{79}{2}(1+79)$$

$$\frac{79 \times 80}{2} = 79 \times 40 = 3160$$

اس قصیدے سے تین ہزار ایک سو ساٹھ مرتبہ (3160) سال تاریخ حاصل کیا جاسکتا ہے۔
محمد علی جویا نے اسی صنعت کو ”صنعت نو“ کا نام دیا ہے جس کی تعریف میں ایک مادے سے ایک لاکھ طریقوں سے تاریخ برآمد کی جاسکتی ہے جس کی مثال میں اپنا ہی ایک مصرع تحریر کیا ہے جو انھوں نے ہندوستان کے گورنر جنرل میو کے قتل پر ۱۸۷۲ میں برآمد کیا تھا۔

ع زدست باقی بقتل آمد غم فراوان بما مرکب ۱۸۷۲ء

اس میں پہلے صنعت الفرد والزوج کی کارگزاریاں دکھا کر یعنی پہلے اول حرف کو لے کر پھر تیسرے، پانچویں سبھی طاق سلسلے کے حروف کے عدد کو جمع کر کے مادہ تاریخ نکالنا، پھر دوسری بار جفت حروف کو جمع کر کے ان کے عدد سے تاریخ برآمد کرنا۔اسی طرح کسی بھی حرف کو لے کر ایک ایک حرف ترک کرتے ہوئے تاریخی مادہ حاصل کرنا ان تمام کاوشوں کے باوجود ۳۶۰۰ سے زیادہ تاریخیں برآمد نہ ہوسکیں اسی وجہ سے راقم الحروف نے اس مصرع کو صنعت کامل میں بطور مثال لکھا ہے۔اور یہی درست بھی ہے۔

(۹) **صنعت فالی**: اس صنعت میں کسی حادثے کی تاریخ بطور فال برآمد کی جاتی ہے۔یہ تاریخ یا تو کتاب سے نکالی جاتی ہے یا جس شخص کی تاریخ برآمد کرنا ہے اس کے دیوان سے حاصل کی جاتی ہے۔جیسے حافظ شیرازی کی تاریخ ان کے مشہور شعر۔

نمی دهند اجازت مرا به سیر و سفر | هوای خاك مصلیٰ و آب رکن آباد

میں "خاک مصلّی" سے ۹۱۷ھ برآمد کی گئی ہے۔
مومن خان مومن کی بھی تاریخ وفات ۱۲۶۸ھ انھیں کے قول "دست و بازو بشکست" سے حاصل کی گئی ہے۔

(۱۰) صنعت تلمیح: تلمیح کسی پرانے مشہور واقعے کی طرف اشارہ کرنا یا شعر میں کلام پاک کی آیات یا احادیث بیان کرنے کو کہتے ہیں۔ فارسی تاریخ گو شاعروں نے مادہ تاریخ نکالنے کے لئے اکثر قرآن شریف کی آیت کا سہارا لیا ہے مشہور صوفی سید علی ہمدانی کی وفات ۷۸۶ھ میں ہوئی تھی جن کی تاریخ وفات بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے برآمد کی گئی۔ مولانا جامی کا انتقال ۸۹۸ھ میں ہوا تھا۔ ان کی تاریخ وفات کسی انوری نامی شاعر نے کلام پاک کی آیت سے برآمد کی جو مندرجہ ذیل ہے:

جامی که بود مایل جنت مقیم گشت　　فی روضة مخلدہ ارضها السما
کلك قضا نوشت روان بر در بهشت　　تاریخهٔ "وَمَن دَخَلَهُ کانَ آمِناً"

۸۹۸

جب مراٹھا سردار شیواجی، اورنگ زیب کی قید سے فرار ہوا تو حافظ ہدایت اللہ نے "اِنّ شانئكَ هُوَ الأبتَر" سے اس حادثے کی تاریخ ۱۰۷۷ھ حاصل کی۔
اسی طرح جب صفدر جنگ اور احمد شاہ ابدالی کے درمیان صلح صفائی ہوئی تو کسی نے "الصّلحُ خیر قَالَ اللّٰه" سے اس واقعے کی تاریخ ۱۱۶۶ھ حاصل کی۔
فارسی اور اردو کے مشہور صوفی شاعر شاہ نیاز بی نیاز بریلوی کی بھی تاریخ وفات ۱۲۵۰ھ "اِن أولیاءَ اللّٰهِ لا خَوفٌ عَلَیهِم وَ لا یَحزنُون" سے برآمد کی گئی ہے۔
غرض کہ فارسی تاریخ گوئی میں صنعت تلمیح کا استعمال بڑی کثرت سے ملتا ہے۔
تاریخ گوئی کے اس ارتقائی سفر میں شاعروں نے ہزاروں جدت طرازیاں کی ہیں نہ جانے کتنی صنعتوں کا استعمال کیا ہے۔ یہاں صنعت تلمیح کے ساتھ کلام پاک کی آیات مثال میں پیش کر کے اس باب کو بند کیا جاتا ہے اور تاریخ گوئی کی تیسری قسم صوری و معنوی کا تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

❁ ❁ ❁

صوری و معنوی

جیسا کہ اس تاریخ گوئی کے نام سے ظاہر ہے کہ اس قسم کی تاریخ گوئی میں پہلے صوری تاریخ کی طرح مادہ سال وفات الفاظ میں لکھ دیا جاتا ہے پھر اسی لفظی تاریخ کے حروفی عدد بھی معنوی تاریخ کی طرح اس سال کے واقعے کا پتہ دیتے ہیں۔ فارسی تاریخ گوئی میں نویں صدی ھجری میں اس قسم کی تاریخیں برآمد کرنے کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ جس کی پہلی مثال بابر بادشاہ کی ولادت کے سلسلے میں مولانا حسامی کی برآمد کی ہوئی تاریخ ہے۔

چون در شش محرم زاد آن شه مکرم　　تاریخ مولدهم آمد "شش محرم"

شش محرم جہاں صوری تاریخ پیدائش ہے وہیں معنوی طور پر ان دونوں الفاظ سے ۸۸۸ھ عدد سال ولادت برآمد ہوتے ہیں۔
گو کہ یہ تاریخ مکمل اور واضح نہیں ہے لیکن اس طرح کی تاریخ نکالنے کے لئے میل کا پتھر ضرور ہے۔ جس کے بعد ایسی تاریخیں نکالنے کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اکبری دربار کے پہلے ملک الشعراء غزالی مشہدی کی وفات ۹۸۰ھ پر فیضی نے اس طرح کا ایک خوبصورت مصرع برآمد کیا جو ان دونوں صورتوں کو بہت واضح طور پر نمایاں کرتا ہے۔

قدوہ نظم غزالی که سخن　　همه از طبع خدا داد نوشت
نامۂ زندگی او ناگاہ　　آسمان بر ورق باد نوشت
عقل تاریخ وفاتش به دو طور　　"سنه نهصد و هشتاد" نوشت (۵۲)

مندرجہ بالا تاریخ میں "سنہ نہصد و ہشتاد" نوسواسی (۹۸۰) صوری تاریخ ہے لیکن پہلے مصرع کی خبر "بہ دو طور" یہ دوسرا طریقہ معنوی ہے۔ جس کی بنا پر ان حروف سے بھی سال وفات برآمد ہوتا ہے۔

سنه	نهصدو	هشتاد	
۱۱۵ +	۱۵۵ +	۷۱۰	= ۹۸۰

محمد شاہ بادشاہ نے جب ۹۸۰ھ میں نظام الملک قمر الدین کو وزارت، خلعت اور آصف جاہ کے خطاب سے نوازا تو میر عبدالجلیل واسطی نے فارسی، عربی، ترکی اور اردو چاروں زبانوں میں مصرع تاریخ برآمد کئے فارسی میں ان کا نکالا ہوا مادہ تاریخ صوری و معنوی دونوں صورتوں میں ہویدا ہے۔

ہزار ویکصد وسی وچھار نص نشاط دو گونہ جوھر تاریخ ازو شود پیدا

پہلے مصرع سے صاف ظاہر ہے کہ یہ صوری تاریخ ''ہزار ویکصد وسی وچھار'' ۱۱۳۴ھ ہے۔

''دو گونہ'' سے مراد ہے دو طرح ایک صوری اور دوسرے معنوی، معنوی تاریخ حروفی عدد سے اس طرح نمایاں ہے۔

ہزار ویکصدو سی و چھار نص نشاط

۱۱۳۴=۳۶۰ +۱۳۰ +۲۰۹ +۷۶ +۱۳۰ +۲۱۹

مندرجہ بالا تین تاریخیں مثال میں اس طرح پیش کی گئی ہیں کہ تقریباً ہر دور کی عکاسی ہو جائے ورنہ اس طرح کی تاریخیں تحریر کرنے کا عام رواج ہو چلا تھا۔

یہ فن تاریخ گوئی کی وہ تین قسمیں تھیں جو زمانہ قدیم سے بیسویں صدی تک رائج ہیں۔ انیسویں بیسویں صدی میں انگریزوں کی حکومت نے تمام روایتوں کی جڑیں کھوکھلی کر دیں بات چیت کی زبان فارسی سے اردو میں منتقل ہوئی اور اب تو وہ دور ہے جب اردو والے بھی اپنے بچوں کو زیادہ تر انگریزی زبان کی ترغیب دے رہے ہیں۔ زمانہ بدل رہا ہے اس دور میں خاص طور پر انٹرنیٹ کی ضرورت نے سبھی کو انگریزی سیکھنے اور اس میں کام کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔ تمام دفتروں میں کام کاج کا رواج انگریزی میں ہو چلا ہے۔ ایسی صورت میں سنہ ہجری سے واقفیت بھی کم ہوتی جا رہی ہے اور عیسوی سنہ زبان زد خاص و عام ہو چکا ہے اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ۱۹ ویں صدی سے یہ کام کاج عیسوی سنہ کے حساب سے ہونا شروع ہو چکا تھا بیسویں صدی آتے آتے یہ عیسوی سنہ اسکولوں اور آفسوں کے ٹائم ٹیبل کے مطابق لاشعوری طور پر قوم کی رگ و پے میں پیوست ہو چکا ہے۔ ایسے ماحول میں ہجری سنہ کی افادیت کو بچانے اور عیسوی سنہ کی واقفیت کو قائم رکھنے کے لئے تاریخ گوئی میں ایک نئی قسم کے اضافہ کی ضرورت محسوس ہوئی۔ لہٰذا راقم الحروف نے ایک چوتھی قسم ایجاد کر کے اس کا نام سنین صوری و معنوی ایجاد کیا۔

❁ ❁ ❁

سنین صوری و معنوی:

فن تاریخ گوئی کی وہ صورت جس میں سنہ ہجری یا کوئی دوسری سنہ، صوری میں تحریر ہو اور معنوی طور پر اس کے حروف سے سنہ عیسوی یا کوئی دوسری وہ سنہ جو صوری میں نہ ہو برآمد کی جاسکے۔ کیوں کہ اس طرف ابھی راقم الحروف کے علاوہ غالباً کسی اور مفکر کی نظر نہیں گئی ہے۔ لہٰذا اس کی چند مثالیں خود اپنے ہی برآمد کئے ہوئے مادہ تاریخ سے پیش کی جاتی ہیں امید ہے کہ تاریخ گو شعراء اس طرف توجہ مرکوز کر کے اس نئی صورت کو بھی پروان پڑھائیں گے۔ پہلی تاریخ اکبر بادشاہ کی تخت نشینی کے سلسلے میں ہے۔

ع نہ صد و شصت و سہ بود اکبر شہ

اس مصرع کی ملفوظی یعنی صوری صورت نو سو تریسٹھ (۹۶۳) ظاہر ہے۔ لیکن جب معنوی تاریخ دریافت کرنے کے لئے حروف کے عدد شمار کئے جائیں گے تو مندرجہ ذیل طریقے سے ۱۵۵۶ء برآمد ہوگی اسی سال ہمایوں کی وفات ہوئی تھی اور اکبر بادشاہ بنا تھا۔

نہ صد و شصت و سہ بود اکبر شہ

۱۵۵۶ء = ۳۰۵ +۲۲۳ +۷۷ +۷۹۶ +۱۵۵

مندرجہ بالا مصرع کا وزن ''فاعلاتن مفاع لن مفعولن'' بحر خفیف مسدس سالم مخبون مخبون مسکن ہے۔

دوسری مثال اپنے والد حکیم احمد اصغر زید الواسطی قلم سیتھلی مرحوم کے انتقال پر موزوں کردہ تاریخ وفات سے دی جاتی ہے۔ جس سے صوری میں تیرہ سو بانوے پڑھے جاسکتے ہیں تو عیسوی تاریخ انیس سو بہتر معنوی تاریخ حروف کے عدد سے برآمد ہوتی ہے۔

ع ''ہزار وسیصدونود و دو قلم بخلد ارث'' ۱۹۷۲ء

قلم صاحب کا انتقال ۲۵ رجب ۱۳۹۲ھ مطابق ۵ ستمبر ۱۹۷۲ء کو ہوا تھا۔

تیسری مثال اپنے عزیز دوست نما بھائی ڈاکٹر طارق کفایت صدر شعبۂ فارسی، اردو و عربی پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ پنجاب کے برادر بزرگ جناب خالد کفایت خالد مرحوم کی وفات پر جو خاکسار سے بھی بڑی انسیت اور محبت رکھتے تھے مندرجہ ذیل مادہ تاریخ برآمد کیا ہے۔ جن کا انتقال ۱۴۲۷ھ مطابق ۲۰۰۶ء کو ملیر کوٹلہ میں ہوا تھا۔ ؎

بخلد رفت چو خالد کفایت از دنیا
ادیب و یار وهمه خاندان شود ناشاد
صدای عیسوی از هجری آدمی بنویس
هزار و چار صد و بست وهفت دم افتاد

مندرجہ مصرع سے صوری تاریخ چودہ سوستائیس لفظی طور پر نمایاں ہے۔ لیکن اسی مصرع سے جس کی وضاحت قطعہ کے تیسرے مصرع میں کردی گئی ہے کہ عیسوی سن ہجری سنہ سے تحریر کریعنی معنوی تاریخ عیسوی سنہ میں تلاش کیجئے جو مندرجہ ذیل صورت میں تمام حروف کے عددشمار کرنے کے بعد ۲۰۰۶ء حاصل ہوگی۔

هزار و چار صدو بست و هفت دم افتاد
۲۱۹+ ۳۰۴+ ۲۶۸+ ۴۸۵+ ۴۴+ ۴۸۶=۲۰۰۶ء

راقم الحروف کی نظر میں اس سنین صوری ومعنوی کی صورت میں تاریخ گوئی سے نئی نسل خاصی مستفیض ہو سکتی ہے کیوں کے ایسی تاریخوں سے سنہ ہجری اور سنہ عیسوی کی مطابقت میں کافی سہولت ہوگی۔ کیوں کہ آج کے تاریخ نویس ہجری سنہ لکھنے کے ساتھ ساتھ سنہ عیسوی بھی تحریر کررہے ہیں۔ جس کے خاص نمونے پروفیسر نبی ہادی صاحب کی دوگرانقدر تصانیف Dictionary of Indo Persian Literature, اور History of Indo Persian Literature میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

فن تاریخ گوئی کے ارتقائی سفر پر مختصر بحث کے بعد اب تاریخی واقعات پر برآمد کئے گئے چند ایسے تاریخی مادوں کا جائزہ لیا جارہا ہے جن سے بادشاہوں، وزیروں اور امیروں کی تاریخ ولادت، وفات، جنگ، صلح، تعمیرات یادیگر تاریخی کارناموں پر روشنی پڑتی ہے۔

***

بادشاہوں اورامیروں سے متعلق تاریخ گوئی کا تنقیدی جائزہ

فارسی شاعری میں قبل از اسلام کی تاریخ مفقود ہے۔ بعد از اسلام ایران میں مسلمانوں کی حکومت قائم ہونے کے بعد بھی تقریباً دوسوسال تک فارسی زبان کی ترقی وترویج میں کوئی نمایاں پیش رفت نظر نہیں آتی، جس کی اصل وجہ عربی النسل حکمرانوں کا ایران پر مسلط رہنا ہے۔ سنہ ۱۹۳ھ میں ہارون رشید کے انتقال کے بعد حکومت نما خلافت دو حصوں میں تقسیم ہوگئی جس میں ایران کی حکومت مامون رشید کے حصے میں آئی جس کی ماں ایرانی تھی۔ امین رشید جس کے پاس ایک بڑی اور مضبوط حکومت تھی اس نے اس ایرانی حکومت پر بھی قبضہ کرنا چاہا۔ جس کے نتیجے میں دونوں بھائیوں میں جنگ کا آغاز ہوا۔ ایرانیوں نے مامون رشید کا بھرپور ساتھ دیا تو عربوں نے امین رشید کا جس کی ماں عرب تھی۔ آخر کار ۲۵ محرم ۱۹۸ھ کو ایرانی سپہ سالار طاہر بن حسن (جسے طاہر ذوالیمینین کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے) نے امین پر فتح پا کر اس کو قتل کردیا۔ یہ فتح ایک طرح سے عربوں پر ایرانیوں کی فتح تھی۔ طاہر ذوالیمینین کو بطور انعام خراسان کی امارت حاصل ہوگئی اور یہیں سے فارسی زبان وادب کی ترقی کی راہیں ہموار ہونے لگیں۔ اس دور کا مشہور شاعر حنظلہ بادغیسی تھا۔ طاہری دور ۲۰۵ھ سے ۲۵۹ھ تک رہا۔ جس میں طاہر ۲۰۵ تا ۲۰۷ھ، طلحہ ۲۰۷ تا ۲۱۳ھ، عبداللہ ۲۱۳ تا ۲۳۰ھ، طاہر دوم ۲۳۰ تا ۲۴۸ھ، اور محمد ۲۴۸ تا ۲۵۹ھ پانچ حکمراں ہوئے۔

ان کے ساتھ ہی ۲۵۴ھ سے ۲۹۰ھ تک صفاری خاندان کے حکمرانوں نے حکومت کی باگ ڈور سنبھالنے کے ساتھ اپنی مادری زبان فارسی کے احیار کی پوری کوشش کی۔ اس خاندان میں صرف یعقوب بن لیث ۲۵۴ تا ۲۶۵، عمرو بن لیث ۲۶۵ تا ۲۸۷ اور طاہر بن محمد بن عمرو ۲۸۷ تا ۲۹۰ھ تک تین حکمراں رہے۔ بعد ازاں ۲۶۱ھ سے ۳۸۹ھ تک حکمرانی کرنے والے سامانی دور میں فارسی شاعری کو مکمل عروج حاصل ہوا۔ جس کے دس حکمرانوں نے ۲۶۱ھ سے ۳۸۹ھ تک ماوراءالنہر اور ایران میں ایک صدی سے زیادہ حکومت کی۔

اس دور میں رودکی نے رباعی کا وزن ایجاد کر کے شاعری کی دنیا میں ایک نیا انقلاب پیدا کیا۔ اور ابوشکور بلخی نے پہلی بار صوری تاریخ کی بنیاد رکھی۔ لیکن اس صنف کا عام رواج تو کیا اس دور میں صرف ایک تاریخ کسائی مروزی کی اور ملتی ہے۔ سامانی دور کے حکمراں نوح بن منصور نے ۳۷۴ھ میں الپتگین کو خراسان کی

امارت تفویض فرمائی جو سبکتگین کا خسر تھا۔ سبکتگین کے بیٹے محمود غزنوی نے ۳۷۹ھ میں بمقام بلخ تخت سلطنت پر قابض ہوکر حکومت کی باگ ڈور سنبھالی اور ہندوستان پر بھی حملے کئے اسی دور میں فارسی شعر و ادب کو خوب ترقی حاصل ہوئی اور فارسی زبان و ادب کو ایک نیا مرکز لاہور کی شکل میں حاصل ہوا، جہاں فارسی شعر و ادب کا سفر ایران کی طرح بڑی آب و تاب سے جاری ہوا۔ غزنوی دور میں فردوسی نے اپنا شاہ نامہ مکمل کیا جس سے فارسی شاعری کو دنیا کی تمام زبانوں کی شاعری پر کہیں برابری اور کہیں برتری کا درجہ حاصل ہوا۔ فردوسی نے شاہ نامے کے مکمل ہونے پر ایک صوری تاریخ صنعت ضرب میں موزوں کی گو کہ یہ ایک مثنوی کی تاریخ ہے لیکن یہ مثنوی ایران کے شاہی خاندانوں کی تاریخ جیسی ہے۔ فردوسی کے دعوے کے مطابق:

بسی رنج بردم درین سال سی
عجم زنده کردم بدین پارسی

اس شاہکار نے (تاریخ) عجم کو زندہ کر دیا۔ لہٰذا اس تاریخ کو شاہی خاندانوں سے مناسبت کی بنا پر شاہی کارناموں میں شامل کیا جاتا ہے۔ اور اسی تاریخ کو تاریخ گوئی کی بنیاد سمجھا جاتا ہے۔

زهجرت شده پنج هشتاد بار
که من گفتم این نامه نامدار

یہ تاریخ صوری میں تحریر ہونے کے باوجود صنعت ضرب کے حسن سے مرصع ہے یعنی ہشتاد (۸۰) کو پانچ سے ضرب کیجئے تو ۸۰×۵ = ۴۰۰ھ میں اس شاہکار کے اتمام کی تاریخ حاصل ہو جائے گی۔ محمود غزنوی کے بعد ایرانیوں کے لئے ہندوستان کے دروازے ایسے کھلے کہ ہندوستان آہستہ آہستہ ان کے اقتدار کا حصہ بن گیا اور فارسی کی ترقی میں ایران سے کچھ زیادہ ہی بڑھ چڑھ کر حصہ لینے لگا۔ ایرانی حکومت مختلف حصوں میں تقسیم ہوگئی جس میں خاندان ''زیاریان'' نے ''جرجان'' میں ۳۱۶ھ تا ۴۳۴ھ حکومت کی، تو خاندان بنی حسنویہ نے کردستان میں ۳۴۸ھ سے ۴۰۶ھ تک حکومت کی، خاندان آل بویہ کی حکومت ۳۲۰ھ سے ۴۴۷ھ تک ایران و عراق میں رہی تو دیالمۂ فارس دو حصوں میں منقسم ہو گیا جس کے ایک حصہ میں ۳۲۰ھ سے ۴۴۷ھ تک عماد الدولہ ابوالحسن علی سے ابونصر خسرو فیروز تک آٹھ حکمرانوں نے نظام سلطنت سنبھالا اور دوسرے حصہ پر دیالمۂ عراق و اہواز و کرمان پر ۳۲۰ھ سے ۴۰۳ھ تک معز الدولہ ابوالحسین احمد سے سلطان الدولہ تک چھ حکمرانوں کے نام ملتے ہیں۔ اسی دوران عراق کے متفرق مقامات پر ۴۱۱ھ سے ۴۴۷ھ تک مشرف الدولہ، جلال الدولہ، عماد الدین اور ابونصر خسرو مذکورہ بالا نے مہار اقتدار اپنے ہاتھوں میں رکھی۔ کرمان پر

۴۰۳ھ کے بعد عراق و اہواز سے الگ کر کے قوام الدین ابوالفوارس نے اپنی حکومت قائم کی جو ۴۴۸ھ میں ابو منصور فولا دستون پر اختتام پذیر ہوئی۔ اسی طرح رے، ہمدان اور اصفہان کی حکومت ۳۲۰ھ سے ۴۱۲ھ تک رکن الدولہ ابوعلی حسن سے سما الدولہ ابوالحسن تک چھ حکمرانوں کے حصہ میں آئی، دوسری طرف کردستان کے علاقے پر ۳۹۸ھ سے ۴۴۳ھ تک علاء الدولہ ابوجعفر محمد اور اس کے بعد ظہیر الدین ابو منصور فرامرز نے حکومت کی۔ اسی دور میں جب چھوٹی چھوٹی حکومتوں کا سلسلہ جاری تھا کہ خاندان سلجوقی کے حکمرانوں نے پانچویں صدی ہجری سے آٹھویں صدی ہجری تک ایران کے ایک بڑے حصے پر جداگانہ حکومتیں قائم کیں۔ جنھیں تین حصوں میں منقسم کیا گیا تھا۔ (۱) سلجوقیان بزرگ ایران (۲) سلجوقیان کرمان (۳) سلجوقیان عراق و کردستان۔ یہ خاندان بالترتیب ۴۲۹ھ سے ۵۵۲ھ تک ایران کے ایک بڑے حصے پر، ۴۲۳ھ سے ۵۸۳ھ تک کرمان میں، اور ۵۱۱ھ سے ۵۹۰ھ تک عراق و کردستان میں آزادانہ حکومت کرتے رہے۔

مندرجہ بالا ایرانی حکومتوں کے دور میں ہی ۳۸۸ھ میں محمود غزنوی نے پنجاب میں غزنوی حکومت کی بنیاد رکھی ۵۸۲ھ تک اسی خاندان کے ۱۶ حکمرانوں نے سلطنت کا مزہ چکھا۔ ان میں سے چار بادشاہوں کا دورِ حکومت صرف ایک سال ۴۴۰ھ ہے۔ اس دور کے آخری سالوں میں ۵۷۱ھ سے ۶۰۲ھ تک محمد غوری کے بھائی نے حملوں کا سلسلہ جاری رکھا آخر کار ۶۰۲ھ میں محمد غوری کی جانب سے قطب الدین ایبک پنجاب سے بڑھ کر دلی کا سلطان بنا اس طرح ہندوستان کے ایک بڑے اور خاص حصہ پر مسلمانوں کی حکومت کا سلسلہ شروع ہوا، جس میں ۶۰۲ سے ۶۸۹ تک خاندان غلامان ۶۸۹ھ سے ۷۲۰ھ تک شاہان خلجی، ۷۲۰ سے ۸۱۷ھ تک خاندان تغلق، ۸۱۷ھ سے ۸۵۵ھ تک خاندان سادات بوسیلۂ تیمور شاہ اور ۸۵۵ھ سے ۹۳۰ھ تک لودی خاندان کی حکومت رہی۔ اس کے بعد ہندوستان پر مغلوں کی شاندار حکومت قائم ہوئی۔ جس کا پہلا بادشاہ ظہیر الدین بابر اور آخری بادشاہ بہادر شاہ ظفر تھا۔ اسی دور میں ۱۵۔۱۶ سال ۹۴۶ھ سے ۹۶۲ھ تک شیر شاہ سوری کے خاندان کی حکومت بھی رہی۔ یعنی انگریزوں کے مسلط ہونے تک خصوصاً ۱۱۷۸ھ سے ۱۷۶۴ء، عموماً ۱۲۵۳ھ/۱۸۵۷ء تک مغلوں کی حکومت قائم رہی۔ ۱۸۳۵ء تک فارسی کا بول بالا رہا۔ اس کے بعد کہیں اردو اور کہیں انگریزی زبانوں میں سرکاری کام انجام پذیر ہونے لگا۔ ایران کی طرح ہندوستان میں بھی چھوٹی چھوٹی حکومتیں بنتی بگڑتی رہیں ان میں خاص نام بنگال کے حاکموں، سلاطین شرقی جونپور، بادشاہان گجرات، خاندیش اور خصوصاً ایرانی طرز پر حکومت کرنے والے حکمران شاہان بہمنی جو بیجاپور، گولکنڈہ، احمد نگر، برار اور بیدر جیسے دکن کے علاقے پر شان سے حکومت کرتے رہے۔ کشمیر کے علاقے پر بھی

فارسی پرور خاندان اکبر کے دور تک آزادانہ حکومت کرتے رہے ہیں۔ اکبر کے زمانے سے چھوٹی چھوٹی حکومتیں مغل حکومت کا حصہ بنتی چلی گئیں یہاں تک کہ اورنگ زیب کے زمانے میں جب ان سبھی حکومتوں کا وجود ختم ہو گیا تو ہندوستان سے فارسی اور مسلمانوں کی فرمانروائی بھی روبہ زوال ہو گئی۔
ہندوستان میں جو بھی مسلم حکومت قائم ہوئی اس نے فارسی کی ترقی پر ضرور زور دیا اور یہ آرزو بھی کی کہ ایران کے مشہور شاعر ہندوستان کی طرف رخ کرتے رہیں یہ سلسلہ جاری بھی رہا لیکن حافظ شیرازی جیسے شاعر ہندوستان آنے کی تمنا کے باوجود یہ کہہ کر آگے نہ بڑھے کہ:

"نمی دهند اجازت مرا به سیر و سفر
هوای خاك مصلیٰ و آب رکن آباد"

لیکن ہندوستانی شاعروں کی عظمت کا اعتراف ضرور کرتے رہے۔

شکر شکن شوند همه طوطیان هند
این قند پارسی که به بنگاله می رود

اس طرح کے واقعات اور کچھ دوسرے شاعروں کے ساتھ بھی پیش آئے لیکن دور اکبری میں ان شاعروں کو نہ "هوای خاك مصلی" روک پائی نہ "آب رکن آباد" اور اسی شیراز کے بلند پایہ شاعر شیراز و ایران کو خیرباد کہتے ہوئے ہندوستان کی خاک کا حصہ بن گئے۔ فارسی شاعری کا مرکز عام طور پر شاہی دربار ہی رہے۔ چند صوفی شاعروں کے علاوہ فارسی کے سبھی بڑے شاعر کسی نہ کسی چھوٹے یا بڑے دربار سے وابستہ رہے ہیں اور دربار کی رسموں کو نبھاتے ہوئے قید و بند کی صعوبتوں سے بھی دوچار ہوتے رہے ہیں۔ یہ شاعر کبھی بھی بادشاہوں، وزیروں اور امیروں کو خوش کرنے اور ان سے انعام حاصل کرنے کے لئے کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخ مرتب ہونے یا کرنے کے ساتھ ساتھ انھوں نے بادشاہ کی فتح پر قصاید لکھے اور جب تاریخ گوئی کا رواج عام ہوا تو اس صنعت میں ایسے ایسے ہنر اور جلوے دکھائے کہ سننے والا حیران رہ جاتا اور امراء کی جانب سے انعام و خلعت کی بارش ہوتی۔ تاریخ گوئی کے ذریعے بادشاہوں کو خوش کرنے کی روایت کا آغاز خاندان تیمور سے ہوتا ہے۔ ممکن ہے اس سے قبل بھی یہ روایت رہی ہو لیکن راقم الحروف کی نظر میں صوری تاریخ میں پہلا قطعہ امیر تیمور سے متعلق نظر آتا ہے جیسا کہ تذکرہ دولت شاہ میں ص ۱۶۶ پر درج ہے، جس سے امیر تیمور کا سال ولادت، سال خروج اور سال وفات کا پتہ چلتا ہے۔

سلطان تیمور آنکه مثل او شاه نبود
در هفتصد و سی وشش بیامد بوجود
در هفتصد و هفتاد و یکی کرد خروج
در هشتصد و هفت کرد عالم پدرود

یہ قطعہ تیمور کی وفات کے بعد اس کے جانشینوں کی خوشنودی کے لئے تحریر کیا گیا ہے اسی لئے پہلے شعر میں امیر تیمور کی ایسی تعریف ہے کہ جس میں مبالغہ ہے بھی اور نہیں بھی۔ یہ بات بھی سچ ہے کہ اس جیسا دوسرا بادشاہ اس دور میں نہیں تھا۔ لیکن اس جیسا فاتح اور قاتل بھی اس دور میں نہیں تھا۔ وہ تیمور ۷۳۶ھ میں پیدا ہوا، ۷۷۱ھ میں اس نے خروج کیا اور آخری مصرع سے ۸۰۷ھ میں اس کا انتقال ہو گیا۔
امیر تیمور کے زمانے میں ہی حافظ شیراز میں یہ بتا رہے تھے کہ بلبل نوا سنجی کے لئے، تو حافظ غزل گوئی کے لئے آیا ہے۔

هر مرغ بدستانی در گلشن شاه آمد
بلبل به نوا سنجی حافظ به غزل گوئی

شیراز میں حافظ غزل گوئی کے ساتھ ساتھ تاریخ گوئی میں بھی اپنا سکہ چلا رہے تھے اور اپنے ممدوحین کے واقعات کی تاریخیں نکال رہے تھے۔ تاریخ گوئی اپنی ابتدائی منزلوں میں تھی کہ حافظ کے ممدوح خاص شاہ شجاع کے یہاں ایک پسر سلطان اویس کی ولادت ہوئی ظاہر ہے اس علم پرور بادشاہ کی خوشی میں اہل علم سے زیادہ مسرت کا اظہار کون کر سکتا تھا۔ اسی لئے "مولانا عماد الدین فقیہ کرمانی نے مندرجہ ذیل تاریخ ولادت برائے سلطان اویس برآمد کی۔

طالع سور ماه انور ملك — در خور پادشاهی آمده است
چه عجب گر حروف تاریخش — "گهر بحر شاهی "آمده است

آخری مصرع کے پہلے جز "گہر بحر شاھی" سے تاریخ ولادت ۷۵۱ھ برآمد ہوتی ہے۔ تین الفاظ کی اس تاریخ میں استعاراتی نظام کتنا پختہ ہے کہ "بحر شاھی" کا موتی، موتی صرف سمندر میں ہوتے ہیں جن کی قیمت کا اندازہ ناممکن ہے۔ اور یہ حکومت و سلطنت بادشاہ کے لئے سمندر جیسی ہے یا یہ حکومت بحر شاہی ہے جس میں قیمتی موتی بادشاہ کے ہاتھ لگا ہے۔ اور پہلی اولاد سے قیمتی شے اور کیا ہو سکتی ہے۔ اس صورت میں اس مصرع کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ قطعہ کا پہلا مصرع گو کہ تاریخ نہیں ہے لیکن چوتھے تاریخی مصرع تک پہنچنے

Scanned by CamScanner

کے لئے ایک راستہ ہے جس نے پہلے مصرع اور چوتھے مصرع کے درمیان جہاں طباق کا لطف پیدا کیا ہے وہیں شاعر نے علم نجوم سے واقفیت ہونے کی دلیل بھی فراہم کی ہے۔ خوش قسمت، نیک گھڑی میں ملک کا چمکتا ہوا چاند جو کہ اس نظام کا حصہ ہے جس میں یہ خورشید کے چاروں طرف ایک محور سے چکر بھی لگا تا ہے اور کشف نور بھی کرتا ہے اور یہ خورشید یعنی'' در خور پادشاهی '' سے نسبت رکھتا ہے اسی طرح ایک پورا ماحول مراعاۃ النظیر کا عکاس ہے۔

۷۵۱ھ کے بعد جیسا پہلے بھی تحریر کیا جا چکا ہے کہ امیر تیمور نے ۷۷۱ھ میں جشن تاجپوشی آراستہ کیا اور اسی سال خروج پر آمادہ ہوا جس کی صوری تاریخ ایک قطعہ میں درج کی جا چکی ہے۔ یہی وہ دور ہے جب تاریخ گو شاعر نئی جدتیں تلاش کر رہے تھے کہ کسی شاعر کو یہ نکتہ سوجھا کہ ہمارے حروف میں ایک نقطہ ادھر سے ادھر کرنے پر حروف کی قیمت سیکڑوں میں بدل جاتی ہے۔ اسی نکتہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے امیر تیمور کے سال جلوس کا کیا خوب مادہ تاریخ دریافت کیا گیا ہے۔

یا بی تو جلوس تیمور سلطان را
یك نقطه نهی گربه سر دال دعا

اگر'' دعا'' لفظ کی 'د' پر ایک نقطہ لگا دیا جائے تو امیر تیمور کا سال جلوس حاصل ہو جائے۔ یعنی ذ+ع+ا=۷۰۰+۷۰+۱=۷۷۱ھ میں تیمور تخت حکومت پر جلوہ افروز ہوا۔

اس جدت طرازی کے ساتھ ساتھ اسی دور میں مولانا بہار الدین جامی نے تیمور کی وفات پر ایک نئے طریقے سے ایک ہی لفظ سے تاریخ وفات برآمد کی قطعہ تاریخ مندرجہ ذیل ہے۔

تیمور که چرخ پیر را دل خون کرد — وزخون عدو روی زمین گلگون کرد
در مژده شعبان سوی علیین تاخت — فی الحال زرضوان سرو پا بیرون کرد (۵۳)

لفظ'' رضوان'' کو بے سرو پا کر کے یعنی اس کے پہلے اور آخری حروف کو جدا کر کے باقی حروف سے تیمور کی تاریخ وفات برآمد ہو جائے گی۔ یعنی لفظ'' رضوان'' سے 'ر' اور 'ن' کو جدا کرنے پر'' ض، و اور الف'' رہ جاتے ہیں۔ جس کے عدد ض+و+ا=۸۰۰+۶+۱=۸۰۷ھ ہوتے ہیں گویا ۸۰۷ھ میں تیمور کی وفات ہوئی۔ یہ طریقہ آگے چل کر بہت مقبول ہوا اور اکثر شاعروں نے اسی طرح کی تاریخیں موزوں کی ہیں۔

ہندوستان میں صوری تاریخ کی مثالیں بھی اسی دور سے ملنا شروع ہو جاتی ہیں جن کا سلسلہ صوفیای کرام کے حالات سے ملتا ہے۔ لیکن بادشاہوں سے متعلق تاریخ اسی وقت نظر آتی ہے جب مبارک شاہ خلجی نے ۷۱۸ھ

میں دیوگیری گجرات کے قلعہ کو فتح کیا اور وہاں ایک مسجد تعمیر کروائی اس پر ایک کتبہ جو نہایت بدخط میں لکھا ہوا ہے جس سے ۷۱۹ھ ظاہر ہوتی ہے۔ کتبہ کی عبارت مندرجہ ذیل ہے۔

بعهد دولت سلطان عالم — کی عدلش در جهان چون شمس تابان
شه گیتی و قطب دین و دنیا — مبارکشاه سلطان ابن سلطان
بناکرد این عمارت بنده عنبر — یکی از حجاب اعظم خسرو خان
محرم ماه بود از عشر اول — ازو تاریخ هفصد نوزده دان

آخری مصرع کے الفاظ خود ۷۱۹ھ سال تعمیر مسجد ظاہر کر رہے ہیں۔ جو صوری تاریخ گوئی کی مثال ہیں۔ ہندوستان میں امیر تیمور کے زمانہ میں خاندان تغلق کی حکومت تھی اس دور کا مشہور شاعر بدر چاچ غیاث الدین تغلق کا درباری شاعر تھا جس نے اس خاندان کے بادشاہوں کی فتوحات پر تاریخیں کہی ہیں۔ قلعہ نگر کوٹ کی فتح پر مندرجہ ذیل تاریخ برآمد کی ہے۔

کشاد حصن نگر کوٹ را که سنگین بود — شه زمانه بتاریخ "اُدخُلُوا فیها"

دونوں مصرعوں کا ربط وقوع پذیر واقعہ کی جانب ایسا اشارہ ہے کہ پورا واقعہ نظروں کے سامنے گھوم جاتا ہے۔ نگر کوٹ کا مضبوط قلعہ اس زمانے کے بادشاہ (محمد تغلق) نے فتح کر لیا یا توڑ کر اس میں داخل ہو گیا۔ اس داخل ہونے کی عربی ترکیب ''ادخلوا فیها'' سے اس فتح کی تاریخ ۷۳۸ھ برآمد ہوتی ہے۔ اس فتح کے چھ سال بعد جب خرم آباد (تغلق آباد) کا قلعہ تعمیر ہوا تو بدر چاچ نے اس کی تعمیر کی تاریخ ایک ہی شعر میں صوری و معنوی دونوں طرح سے حاصل کی کیوں کہ دونوں تاریخوں کا تعلق قلعے کی فتح اور تعمیر سے تھا یعنی دونوں صورتوں میں قلعے میں داخل ہونا تھا۔ لہٰذا پہلی تاریخ کی مشقت کو بروی کار لاتے ہوئے اس میں ''و'' کے ذریعے صرف اور کا اضافہ کر دیا جو مندرجہ ذیل ہے۔

تمام گشت بتاریخ "وادخلوفیها" — کشاده باتو بگویم که هفصد وچل و چار

پہلے مصرع میں ''وادخلـــوافیهـــا'' سے ۷۴۴ عدد برآمد ہوتے ہیں تو دوسرے مصرعے میں سات سو چوالیس ۷۴۴ الفاظ میں لکھ دئے گئے ہیں اسی طرح پہلا مصرع معنوی اور دوسرا صوری تاریخ کی مثال ہے۔ بدر چاچ نے انھیں صوری و معنوی تاریخوں کے ایک ساتھ برآمد کرنے کے طریقے کو اپنی حسن فکر سے اور پیچیدہ یا پہیلی نما بنا دیا۔ ۷۴۶ھ میں حاجی رجب اور شیخ رکن الدین کی تشریف آوری کے سلسلے میں ایک عجیب طرح کی تاریخ برآمد کی۔

هم بتاریخی که ماه از سال هفصد شد فزون

زین سفر ماه محرم سابق شعبان رسید (۵۴)

پہلے مصرع میں معنوی اور صوری کے ذریعے عجب پیچیدہ تاریخ برآمد کرنے کا لطف آرہا ہے۔ ہفصد یعنی ۷۰۰ میں 'ماہ' جس کے ۴۶ عدد ہوتے ہیں بڑھادیے جائیں تو یہ تاریخ ۷۴۶ھ برآمد ہوجائے گی۔ یہ ایک بالکل نیا انداز ہے جس کا استعمال آگے بھی بہت کم نظر آتا ہے۔

۸۱۷ھ میں جب خضر خان کو امیر تیمور نے ہندوستان کی بادشاہت تفویض کی تو اس کے سال جلوس کی تاریخ اس طرح ملتی ہے۔

بھر تاریخ این جلوس سروش　　گفت: "جشن قباد پیش آمد" ۸۱۷ھ

تاریخ کے مصرعے سے معنوی طور پر گفت کے بعد

"جشن+قباد+پیش+آمد=۳۵۳+۱۰۷+۳۱۲+۴۵=۸۱۷

حاصل ہوتے ہیں اس مصرع میں تلمیحاتی صنعت کے ساتھ "جشن قباد" سے استعاراتی نظام پیدا کردیا گیا ہے جس سے اس تاریخی مصرع کا حسن دوبالا ہوگیا ہے۔ اس دور میں ۸۰۲ھ میں اقبال خان لودی جب تخت حکومت پر بیٹھا تو اس سال کی تاریخ مندرجہ ذیل موزوں کی گئی۔

سال تاریخ گفت هاتف غیب　　محفل آرا اعز بزم شهی ۸۰۲ھ

دوسرا مصرع واقعے کی نوعیت کی عکاسی کرتے ہوئے اس تخت نشینی کے سال تاریخ ۸۰۲ھ معنوی طور پر بتارہا ہے۔

محفل=۱۵۸+آرا=۲۰۲+اعز=۸۷+بزم=۴۹+شہی=۳۱۵=۸۰۲

اسی نویں صدی ہجری میں ایران میں سلطان محمد کی وفات پر ایک تاریخ ملتی ہے جیسا کہ دولت شاہ سمرقندی نے لکھا ہے۔

"سلطان محمد بر ملك سروری یافت و بدار السلطنت هرات بر تخت شاهرخی جلوس کرد......شهزاده سلطان محمد را بسیاستگاه فنا رسانید:

شاه سلطان محمد آنکه بریخت　　نصف ذی الحجه خون او مریخ

بتحیت سلام گفت و ثنا　　"مه رخی" را که می شود تاریخ

اس قطعے میں قتل کی تاریخ اور مہینے کے ساتھ "مہ رخی" سے سال وفات ۸۵۵ھ حاصل کرکے لکھ دیا گیا کہ یہ

تاریخ ہے۔ اس تذکرے میں ایران کے ہی ایک بادشاہ، شاہ بابر کی موت کا تذکرہ ہے جس نے اپنے بیٹے شاہ محمود سے وصیت کی تھی کہ اسے امام علی رضا علیہ السلام کے روضہ کے پاس دفن کیا جائے تذکرۃ الشعرا میں اسی بادشاہ کی تاریخ وفات صوری و معنوی دونوں درج کی گئی ہیں جو خود صاحب تذکرہ نے برآمد کی ہیں۔

"وفات بابر را عزیزی بدین منوال فرمود

شاه بابر شهی که از عدلش　　عدل نوشیروان بدی ناسخ

بود راسخ چو در سخا و کرم　　گفت تاریخ فوت او "راسخ"

واین تاریخ روشن تراست

ناگاه قضا زقدرت سبحانی　　برخاك فگند تاج بابر خانی

در هشت و شصت ویك زتاریخ رسول　　در سادس و عشرین ربیع الاول (۵۵)

پہلی تاریخ معنوی ہے جس کے لفظ "راسخ" سے ۸۶۱ھ برآمد ہوتی ہے۔ جبکہ دوسری تاریخ صوری ہے یہ تاریخ کیونکہ لفظوں میں بیان ہوئی ہے اس لئے اسے "روشن" تر کہا گیا ہے جس میں ۲۶ ربیع الاول مرنے کی تاریخ اور مہینہ بھی لکھ دیا گیا ہے۔ اس قطعہ میں سال تاریخ فارسی میں اور مہینہ کی مناسبت سے عربی تاریخ بیان کی ہے۔ یہ بابر بادشاہ تو ایران کا تھا لیکن اس کی وفات کے ۲۷ سال بعد ایک اور بابر کی پیدائش ہوتی ہے جس کی آخری حکومت تو ہندوستان میں رہی لیکن اس سے قبل اس نے ایران کے کچھ حصے پر شاہ طہماسپ کی مدد سے حکومت کی اور اس دور میں اپنے شیعہ ہونے کا اعلان بھی کیا۔ اس محمد بابر کی ولادت ۸۸۸ھ میں ہوئی جس کی تاریخ ولادت کہی گئی قیاس تو یہ کہتا ہے کہ یہ تاریخ ولادت اس کی مسندنشینی کے بعد کہی گئی ہوگی لیکن جس خاندان میں بابر کی ولادت ہوئی ہے وہ کئی پشتوں سے حکمران رہا ہے اس لئے وقت ولادت کی بھی تاریخ کہی جاسکتی ہے۔ بہرحال یہ تاریخ ولادت ایک نئے انداز سے کہی گئی ہے۔ جسے مقالات الشعرا اور تذکرہ نصرآبادی جیسے معروف تذکروں میں نقل کیا گیا ہے۔

چون در شش محرم آمد شه مکرم　　تاریخ سال او هم آمد "شش محرم"

یہ تاریخ ملا منیر بخاری نے برآمد کی تھی جس میں جدت اور خوبصورتی یہ ہے کہ بابر "شش محرم" کو پیدا ہوا تھا شاعر کے ذہن نے اسی تاریخ پیدائش سے معنوی تاریخ نکالنے کے لئے عدد شمار کیے تو وہ اسی سال کے برآمد ہوئے ایک ہی ترکیب "شش محرم" سے صوری طور پر بابر کے پیدا ہونے کی تاریخ اور معنوی طور پر سال ولادت برآمد ہوگیا ہے۔ مقالات الشعراء میں تھوڑی تبدیلی کے ساتھ یہ تاریخ مولانا حسامی کی برآمد کردہ بتائی

گئی ہے۔ چون در شش محرم زاد آن شه مکرم

تاریخ مولدش هم آمد "شش محرم" ۸۸۸ھ (۵۶)

۸۸۸ھ میں ہی ہندوستان کے جنوب میں غوری خا[redacted]ن نے ایک مسجد تعمیر کی جس پر اسی سال کا کتبہ لگا ہوا ہے۔ اس کتبہ پر ۸۸۸ھ کا ایک قطعہ کندہ ہے۔

از برای شاه برهان مرشد راه یقین مسجد و مرقد مرتب ساخت غوری خان مهین

از پی تاریخ اتمامش چو می جستم خبر این نوید دل بیامد "شد مکمل قصر دین"

۸۸۸ھ

''قصر دین مکمل ہوا'' یہ جملہ اس بات کی شہادت دے رہا ہے کہ مسجد تعمیر ہوئی ہے کیونکہ دین کا قصر سوائے مسجد اور کیا ہو سکتا ہے۔ گویا اس مصرعہ تاریخ میں اس واقعہ کی بھی پوری عکاسی ہے جس کے لئے یہ کہا گیا ہے۔ یہی فن تاریخ گوئی کی اصل روح ہے۔ ان واقعات سے قبل ایران میں سلطان ابوسعید گورگان کا قتل ۸۷۳ھ میں ہوتا ہے۔ جس کی مندرجہ ذیل تاریخ ملا سلطان نے برآمد کی ہے۔ جو تذکرہ نصر آبادی میں موجود ہے۔

سلطان ابو سعید که در فر خسروی چشم سپهر پیر جوانی چو او ندید

الحق چگونه کشته نگشتی که گشته بود تاریخ قتل۔ مقتل سلطان ابو سعید (۵۷)

''مقتل سلطان ابوسعید سے جہاں ۸۷۳ھ برآمد ہوتی ہے وہیں مصرع پورے واقعے کی شہادت دے رہا ہے کہ یہ سال ۸۷۳، ابوسعید سلطان کا مقتل ہے۔ گویا سلطان ۸۷۳ھ میں قتل کر دیا گیا۔ یہ واقعہ ایران کا تھا تو ہندوستان میں ۸۹۴ھ میں بہلول لودی کے مرنے کی مندرجہ ذیل تاریخ تحریر کی گئی ہے۔

در خلد شد و گفت سروش از سر جنت "قصد سفر عالم ارواح ز سالش

یہ تاریخ تعمیہ تدخلہ میں کہی گئی ہے جس میں ''قصد سفر عالم ارواح'' کے ۸۹۱ عدد شمار ہوتے ہیں جبکہ بہلول لودی کے مرنے کا سال ۸۹۴ھ ہے۔ لہٰذا مصرع میں تین عدد کم ہیں جنھیں ''سر جنت'' کے اشارے سے مکمل کیا گیا ہے۔ جنت کا ''سر ''ج'' ہے جس کے تین عدد ہوتے ہیں جب یہ تین عدد ۸۹۱ میں جوڑ دئے جائیں گے تو ۸۹۱+۳=۸۹۴ سال وفات برآمد ہو جائے گا۔ مصرع میں قصد سفر عالم ارواح اور جنت کا تذکرہ جوڑ کر موت کی طرف ایک اچھا اشارہ کیا گیا ہے۔

نویں صدی ہجری تک تاریخ گوئی کے سفر کی رفتار خاصی دھیمی نظر آتی ہے۔ لیکن جیسے ہی دسویں صدی ہجری کا آغاز ہوا اس فن نے زمین سے آسمان پر قدم رکھ دیا۔ اب بات بات پر تاریخیں برآمد کی جانے لگیں۔

ایران و ہند کے بادشاہ بھی اس فن میں دلچسپی لینے لگے خاص طور پر جب ایران میں صفوی حکومت کا آغاز ہوا اور ہندوستان میں مغلوں کی حکومت قائم ہوئی تو اس فن تاریخ گوئی کے شاعروں نے سخت محنت کر کے اس فن میں نئے نئے تجربے کئے جن میں سے چند شاہی تاریخوں کے حوالے سے مورد بحث قرار دئے جاتے ہیں تاکہ اس صدی میں فارسی ادب و زبان کے اپنے پورے کمال پر تابندہ ہونے کا اندازہ ہو سکے۔

صفوی حکومت کی بنیاد رکھنے والا پہلا بادشاہ شاہ اسمٰعیل ۸۷۳ھ میں پیدا ہوا جس کی حکومت کی ابتدا تو ۹۰۷ھ میں ہو چکی تھی لیکن اس نے باقاعدہ مسند نشینی کا اعلان ۹۰۹ھ میں کیا۔ دراصل یہ حکومت مذہبی تعصب کے عروج کے زیر اثر وجود میں آئی تھی کیوں کہ اس حکومت کو محبت اہل بیت کا دعویٰ تھا خصوصاً مولا علیؑ سے کشف طاقت کے دعوے دار تھے۔ اور حضرت علیؑ کے دشمن خارجی کہلاتے ہیں جیسا کہ حافظ شیرازی نے بھی اپنی ایک غزل میں اعلان کیا ہے۔

اسی بنا پر شاہ اسمٰعیل کی فتح کو ''زوال خارجیان'' سے تعبیر کیا گیا ہے اور یہی سال جلوس شاہ اسمٰعیل ہے۔ جیسا کہ لکھا جا چکا ہے کہ شاہ اسمٰعیل کی حکومت ۹۰۷ھ میں مستحکم ہو چکی تھی اور اس تاریخ سے سال حکومت ۹۰۹ھ برآمد ہوتا ہے۔ جو اصل واقعے سے دو سال بعد کا سال ہے۔ یا تو ان الفاظ کی برجستگی کے سبب یہ تاریخ سال موزوں کیا گیا یا ممکن ہے ۹۰۷ھ سے ۹۰۹ھ تک چھوٹی موٹی لڑائیوں کا سلسلہ قایم رہا ہو جیسا کہ تاریخی کتب سے بھی ظاہر ہے کہ اس دور میں سنی شیعہ دونوں قوموں کا خوب خون بہا جب مغل حملہ آور ہوتے تو شیعوں کا قتل عام ہوتا اور جب شیعہ سپہ سالار آگے بڑھتے تو سنیوں کا خون بہتا غرض کہ حکومت کے نام پر مسلمانوں کا بہت قتل عام ہوا جس میں حکومت کے کم اور مذہب کے نام سے زیادہ فائدہ اٹھایا گیا۔ غرض کہ صفوی دور کے پہلے حکمراں کا سال جلوس ''زوال خارجیان'' سے نکالا گیا جس کے حروف سے ۹۰۹ھ برآمد ہوتی ہے۔

ریاض الشعراء میں ہی مولانا ریاضی کے حوالے سے درج ہے کہ وہ شاہ اسمٰعیل کی ملازمت سے سرفراز تھے اور جب اس نے خراسان کو فتح کیا تو جہاں اس کی مدح سرائی کی گئی وہیں ایک عجیب و غریب تاریخ کا مصرع برآمد کیا گیا۔ جیسا کہ ریاض الشعراء میں درج ہے۔

"در تاریخ فتح خراسان که از آن پادشاه جنت آرام گاه به وقوع آمده" مصرع

"امیر المومنین حیدر علی ابن ابی طالب "یافته است۔" (۵۸)

تاریخ اسلام میں تمام جنگوں کے فتح کرنے کا سہرا حضرت علیؑ کے سر ہے۔ اسی وجہ سے آپ کا نام فتح و ظفر کا

مترادف ہے اسی بنا پر ریاضی نے اس نام سے فائدہ اٹھا کر مع صفات و ولدیت بیان کر دیا یہ طبیعت کی جولانی اور دوررس نگاہ کا نتیجہ ہی ہے کہ بحرِ ہزج میں ایسا بولتا ہوا مصرع فتح خراسان کے لئے نکالا گیا کہ جس کے حروف سے مکمل سال واقعہ ۹۱۸ھ برآمد ہوتا ہے۔

۹۱۱ھ میں سلطان حسین مرزا کی وفات ہو جاتی ہے۔ جس کی تاریخ وفات ملا لسانی نے دریافت کی اور ''ہزار حیف'' کے ذریعے اپنے غم کا اظہار کیا اور انھیں الفاظ سے واقعۂ موت کی جانب اشارہ کیا۔

دریغ و درد زشاہ جہان ابو الغازی — کہ شد بماتم او روزگار نوحہ سرا
چو سال فوت وی از پیر عقل جستم گفت — ہزار حیف از سلطان حسین بایقرا

سنہ ۹۱۱ھ (۵۹)

سلطان حسین جیسے بیش بہا گوہر انسانیت کا بہت افسوس ہے۔ مصرع مکمل ہے جس کے حروف سے ۹۱۱ عدد برآمد ہوتے ہیں جو اس دل پذیر واقعے کا سال ہے۔ مصرع ایسا کامل ہے کہ نام کے ساتھ صفات اور واقعاتی کیفیت بہت نمایاں ہے۔

۹۱۶ھ کی جنگ میں دوست محمد خازن شیبانی، بادشاہ وقت شاہ اسمٰعیل کے تیر کا نشانہ بن کر دوسری دنیا کو سدھار گیا۔ اس منظر کو خواجہ یحییٰ مروارید نے اس واقعے کی رعایت کے ساتھ ایک تاریخی مصرع میں بڑی نزاکت کے ساتھ پرو دیا اور فقط دو الفاظ ''تیر شاہ'' سے تاریخ نکال کر موجب انعام و اکرام ہوا۔ اس قطعے کو نصر آبادی نے اپنے تذکرہ میں محفوظ کر لیا ہے۔

از جہاں رفت دوست ابن حسن — نخل عمرش بریدہ شد از بیخ
خورد تیری زدست حضرت شاہ — زان سبب ''تیر شاہ'' شد تاریخ (۶۰)

۹۲۱ھ میں بابر بادشاہ ہند کے گھر میں ایک فرزند کی ولادت ہوئی جسے بابر نے ''ہمایوں'' کہہ کر پکارا، تو کسی شاعر نے مندرجہ ذیل مصرع سے تاریخ ولادت ہمایوں برآمد کی جیسا کہ ریاض الشعراء میں تحریر ہے۔ ع

''شد کوکب ہمایوں از برج سعد طالع'' تاریخ تولد آن شہر یار است''۔ (۶۱)

مندرجہ بالا مصرع سے ۹۲۱ھ برآمد ہوتی ہے اس کے علاوہ ایک ہی مصرع میں کوکب، ہمایوں، برج، سعد، طالع جیسے پانچ الفاظ مراعاۃ النظیر کا ماحول بنائے ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ بھی اس دور کے مطابق جب بادشاہوں کے یہاں کسی فرزند کی ولادت ہوتی تو اس کا زائچہ، علم نجوم کی رو سے تیار ہوتا تھا جس میں برجوں کا تو اہم دخل ہے ہی ستاروں پر بھی انسان کی قسمت کا دارومدار ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ فرزند اس وقت میں پیدا ہوا ہے

جب اس کی قسمت کا ستارہ سورج کے قریب تھا اور خوش قسمتی کی علامت والے برج میں داخل ہو رہا تھا۔ ایک مصرع میں اس قدر بامعنی اور واقعاتی شاعرانہ و منجمانہ نظام اور وہ بھی معنوی تاریخ کی برآمدگی کے حوالے سے تاریخ گوئی کی معراج نہیں تو اور کیا ہے۔ کہ اتنی خوبیاں بنا تاریخ کے مصرعوں میں بھی سمونا مشکل ہے۔

۹۲۲ھ میں بابر کے دوسرے بیٹے عسکری مرزا کی ولادت ہوئی تو اس کی تاریخ ولادت بھی حاصل کی گئی۔ جو ''عسکری پادشاہ دریا دل'' سے حاصل ہوتی ہے۔ لیکن تاریخی مصرعوں کے رموز کو سمجھنا آسان نہیں ہے اس لئے ریاض الشعراء کے مصنف کو اس تاریخ میں اشتباہ ہوا اور اس نے اس تاریخ کو ولادت کے بدلے موت کی تاریخ تحریر کر دیا۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل عبارت سے ظاہر ہے جو اس کتاب کے صفحہ ۴۲۰ پر درج ہے۔

''آخر از حبس گریختہ قلندرانہ بہ زیارت بیت اللہ مشرف گردید و در آنجا داعی حق را لبیك اجابت گفتہ بہ کعبہ بقا شتافت۔ ''عسکری پادشاہ دریا دل'' تاریخ فوت اوست۔''

''عسکری پادشاہ دریا دل'' کے حروف سے مندرجہ ذیل عدد حاصل کئے جا سکتے ہیں جو عسکری = ۳۶۰ + پادشاہ = ۳۱۳ + دریا دل = ۲۴۹ = ۹۲۲ ہوتے ہیں۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ جب بابر ہندوستان کا بادشاہ بھی نہیں بنا ہے۔ ہندوستان میں اس کی آمد اس سال کے دس سال بعد ۹۳۲ھ میں ہوئی ہے۔ ۹۳۷ھ میں بابر کی وفات کے بعد ہمایوں بادشاہ بنا تو عسکری اس سے برسرپیکار رہا تھا۔ یہ واقعہ خود ریاض الشعراء میں بھی موجود ہے۔ لہٰذا یہ مصرع تاریخ عسکری مرزا کی وفات نہ ہو کر ولادت کے موقعے پر کہا گیا ہو گا۔ جسے علی قلی خاں نے غلطی سے یا کسی کاتب نے غلط جگہ نقل کر دیا ہے۔

۹۲۷ھ میں میرزا ہندال کی ولادت بابر بادشاہ کے دولت کدے میں ایک نئی خوشی کی شکل میں ہوئی ریاض الشعراء میں جس کا مصرع تاریخ مندرجہ ذیل درج کیا گیا ہے۔

''برادر کوچك ہمایوں بادشاہ است۔ در کمال لطافت طبع و استقامت سلیقہ و علو مرتبہ بودہ..... ''کوکب برج شاہی'' تاریخ ولادت اوست۔'' (۶۲)

مندرجہ بالا مصرع سے کوکب = ۴۸ + برج = ۲۰۵ + شاہی = ۳۱۶ = ۵۶۹ عدد شمار ہوتے ہیں در اصل یہ مصرع ''میرزا ہندال کوکبی برج شاہی'' ہونا چاہئے جس کے عدد از روی ابجد میرزا = ۲۵۸ + ہندال = ۹۰ + کوکبی = ۵۸ + برج = ۲۰۵ + شاہی = ۳۱۶ = ۹۲۷ھ ہو جاتے ہیں اور یہی مرزا

عسکری کا سال ولادت ہے۔ اس مصرع میں بھی ہمایوں کی ولادت پر نکالے گئے مصرع کی ساری خوبیاں موجود ہیں۔

۹۲۷ھ میں شاہ اسمٰعیل کے ایک وزیر میر محمد یوسف مارے جاتے ہیں تو ملا ہلالی نے اس سانحے کی مندرجہ ذیل تاریخ رقم کی۔

چون میر محمد خلف آل عبا　　　از دار فنا رفت سوی دار بقا

تاریخ شهادتش رقم کرد قضا　　　والله شهید هو یحیي الموتی (۶۳)

قرآن شریف کی آیات کے الفاظ سے فیض حاصل کر کے تاریخی مصرعے کو تلمیحاتی پیکر میں ڈھال کر گزرے ہوئے حادثے کا عکاس بنا دیا ہے۔ حیرت کی بات تو یہ ہے کہ یہ معنوی تاریخ بنا تخرجہ یا تدخلہ کے برآمد کی گئی ہے۔

۹۳۰ھ میں صفوی خاندان کے بانی شاہ اسمٰعیل کی وفات ہو جاتی ہے جس سے تمام ایران غمکدہ بن جاتا ہے۔ شعرا کے دل پر بھی اس حادثے کا خاصہ اثر دکھائی دیتا ہے۔ اسی لئے کئی شعرا ر نے اس حادثے پر مراثی تحریر کئے اور تاریخ وفات بھی برآمد کیں۔ چنانچہ مولانا طاہر دکنی نے مصرع وفات اس طرح حاصل کیا۔ ع

"شاه جهان کرد جهان را وداع" (۶۴)

شاہ جہان یعنی ایران کا بادشاہ اس جہان کو الوداع کر گیا۔ شاہ جہان استعارہ ہے شاہ اسمٰعیل کی طرف کیوں کہ یہ صرف ایران کا بادشاہ ہے اور اسے جہان کا بادشاہ کہا گیا ہے۔ اس طرف جہان کی تکرار کا لطف ہے تو دوسری طرف قضا، موت اور مرگ جیسے الفاظ بھی انسانی مجبوری کا اظہار کرتے ہیں لیکن شاعر اپنے ممدوح کو موت کے لئے بھی مجبور نہیں گردانتا اسی لئے وہ کہتا ہے کہ بادشاہ نے ہی اس دنیا کو وداع کر دیا۔ تاریخ کے مصرع میں اس طرح مضمون بیان کرنا آسان نہ تھا جسے طاہر دکنی نے ایسی رعایتوں سے سنوارا کہ شاہ کے جانشینوں کی دلجوئی ہو سکے وہ دل برداشتہ نہ ہوں شاعر اپنے اس مقصد میں کامیاب رہا ہے۔ اسی حادثے پر دوسرا تاریخی مصرع مولانا حیرتی نے بھی موزوں کیا ہے۔

شاه و شاه و شاه می گفتند بهر ماتمش　　　من همان الفاظ را تاریخ فوتش می کنم (۶۵)

عام طور سے تاریخ کا مصرع، مصرع اول نہ ہو کر مصرع ثانی ہی ہوتا ہے۔ اور تاریخ برآمد ہونے کی خبر پہلے مصرع یا مصرع ثانی کے جزو اول سے ملتی ہے لیکن مندرجہ بالا شعر روایت سے ہٹ کر کہا گیا ہے۔ جس کے پہلے مصرع سے تاریخ برآمد ہوتی ہے اور دوسرے مصرع میں تاریخ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اس مصرع میں

صرف ماتم لفظ ہی استعمال نہیں ہوا ہے بلکہ ماتم کرنے کے انداز پر ہی تاریخ کا مصرع کہا گیا ہے جس طرح مرنے والے کے غم میں اس کے عزیز و اقارب بار بار مرنے والے کا نام لے کر اپنے ہاتھ اپنے سینے پر مارتے ہیں۔ یہ انداز خصوصاً عزاداری اہل بیت کے لئے رواج پا چکا ہے۔ اسی طرز پر "شاہ و شاہ و شاہ" کی تکرار سے ایک ہی لفظ کے استعمال سے کئی خوبیاں پیدا کر دی گئی ہیں۔ کسی دانشور نے تو شاہ اسمٰعیل کے انتقال کی تاریخ صرف "خسرو دین" کے حروف کو جمع کر کے دو الفاظ سے اس نسبت پر کہ یہ بادشاہ دین سے خصوصی رغبت رکھتا تھا "خسرو دین" کہہ کر ۹۳۰ھ سال وفات برآمد کیا ہے۔

۹۳۰ھ جہاں شاہ اسمٰعیل کی وفات کا سال ہے وہیں شاہ طہماسپ کے لئے باعث برکت و موجب جشن بھی ہے کیونکہ اسی سال اس کی تاجپوشی ہوئی۔ جس کا سال تاریخ ایک لفظ "ظل" سے آشکار کیا گیا۔ جیسا کہ ریاض الشعراء میں تحریر ہے۔

"لفظ ظل" تاریخ جلوس آن آفتاب سپهر دین داری و معدلت گستری است"۔

(ظل) سے مراد اللہ کا سایہ ہے جو بادشاہ کو عوام کے ساتھ اچھے سلوک کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ یہ لفظ محاورۃً کسی بزرگ کے سایے میں رہنے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً رسولِ خدا کی مدح میں راقم الحروف کا ایک شعر ہے۔

ان کا سایہ نہیں تھا سچ ہے مگر　　　ساری دنیا پہ ان کا سایہ ہے

یہ سایہ تو کائنات کے لئے خدا کی جانب سے بھیجا گیا مگر نیک بادشاہ کا سایہ بھی اپنے عوام کے لئے نیک شگون ہوتا ہے۔ اسی لئے شاہ طہماسپ کی تاجپوشی کا سال تاریخ "ظل" ۹۳۰ھ نکالا گیا۔

۹۳۲ھ میں بابر نے ابراہیم لودی کو شکست دے کر ہندوستان پر اپنی گرفت مضبوط کی تو فتح بابر اور شکستِ ابراہیم کو ایک تاریخ میں نمایاں کیا گیا اس واقعے کو صاحب مقالات الشعرا نے ضبط کر لیا ہے۔

روز و ماه و سال و وقت آن ظفر　　　صبح بود و جمعه و هفت رجب (۶۶)

اس مصرع تاریخ میں پہلی بار صوری تاریخ کی کیفیت میں معنوی تاریخ کو بڑی خوبصورتی ہی نہیں بلکہ بڑی ہوشیاری اور جدت طرازی سے نظم کیا گیا ہے۔ جیسا کہ پہلے مصرع میں اشارہ کیا گیا ہے کہ اس فتح کی پوری معلومات کے لئے اگر دن، مہینے، تاریخ اور سال کی جانکاری چاہتے ہو تو دوسرے مصرع پر غور کرو جس میں جمعہ کا دن، صبح کا وقت اور ماہ رجب کی سات تاریخ الفاظ سے واضح ہے لیکن سال کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔ شاعر نے اسی مہینے، دن وقت اور تاریخ سے معنوی طور پر سال تاریخ برآمد کیا ہے جسے مندرجہ ذیل طریقے سے

شمار کیا جاسکتا ہے۔ صبح =١٠٠+ بودو =١٨+ جمعہ و =١٢٤+ هفت =٤٨٥+ رجب =٢٠٥= ٩٣٢ھ سال فتح بابر یا شکست ابراہیم لودی برآمد کیا گیا ہے۔

٩٣٣ھ میں بابر کو ایک اور جنگ کا سامنا کرنا پڑتا ہے یہ جنگ خود اس کے میزبان اور ہندوستان کی بہادر قوم راجپوتوں کے سردار رانا سانگا سے ہوئی ہے اس جنگ میں بھی بابر کو فتح حاصل ہوئی۔ جیسا کہ مقالات الشعرا میں تحریر ہے۔ (٦٧)

"وسال دیگر بر رانا سانگا مظفر شد" بادشاه اسلام "تاریخ ظفر وی است"

رانا سانگا غیر مسلم تھا اور بابر مسلمانوں کا بادشاہ جسے "بادشاہ اسلام" استعارے کے طور پر کہا گیا ہے حالانکہ بابر صرف ہندوستان کا بادشاہ تھا جس میں ہندو مسلمان دونوں مذہب کے لوگ شامل تھے۔ وہ بادشاہ اسلام نہیں تھا۔ اسی لئے بطور مبالغہ اسے بادشاہ اسلام کہہ کر مبالغے اور استعارہ کا حسن پیدا کیا گیا۔ ان الفاظ سے جنگ کا سال ٩٣٣ھ برآمد ہوتا ہے۔

٩٣٤ھ میں بابر نے ہندوستان کی باقی ریاستوں کو جیتنے کی کامیاب مہم شروع کی اور کچھ ہی عرصہ میں وہ ایک بڑے حصے کا بادشاہ بن گیا جیسا کہ مقالات الشعرا سے پتہ چلتا ہے۔

"وسال سی و چهارم بعد نه صد هجری تمامی ولایتش مفتوح و خود
گرفتار گردید واز "فتح دار الحرب" تاریخ یافت" (٦٨)

اکثر علماء ہندوستان کو "دار الحرب" قرار دیتے ہیں اسی مناسبت سے ہندوستان کی فتح کو "فتح دار الحرب" سے تعبیر کیا گیا اور اسی ترکیب سے سال فتح معنوی طور پر ٩٣٤ھ برآمد کیا گیا۔ جوان حروف کے عدد کا جوڑ ہے۔

٩٣٧ھ میں ہمایوں کو بچانے کے لئے بابر نے صدقے کے طور پر خود کو پیش کر دیا۔ خدا نے اس کی دعا قبول کر کے ہمایوں کو صحت عطا کی اور بابر کو موت سے ہمکنار کیا۔
تذکرہ نصر آبادی میں بابر کے سال وفات کی تاریخ اس طرح درج ہے۔

"تاریخ فوت مرزا بابر۔ حسن تاریخی گفته
تاریخ وفات شاه بابر
در نه صد و سی و هفت بوده (٦٩)

یہ تاریخ ابراہیم لودی کی شکست کی تاریخ سے آگے ترقی کا ایک قدم ہے۔ جس میں پہلی بار الفاظ کے ذریعہ صوری تاریخ بیان کر کے اس میں سے معنوی تاریخ تلاش کی گئی ہے۔ مصرع کا لفظی مطلب بالکل صاف ہے

"نو سو سینتیس" (٩٣٧) میں شاہ بابر کی وفات ہوئی لیکن معنوی طور پر بھی اس کے عدد در =٢٠٤+ نہ صدو =١٥٥+ سی و =٧٦+ هفت =٤٨٥+ بوده =١٧= ٩٣٧ ہوتے ہیں یہی سال وفات بابر بادشاہ ہے۔ مولوی محمد بشیر الدین نے "واقعات دار الحکومت دہلی جلد اول ص ٢٣٥ پر یہ مصرع مولانا شہاب الدین معمائی کا تحریر کیا ہے۔ جو اس دور کے مشہور تاریخ گو شاعر ہیں۔ نصر آبادی کا قول زیادہ قرین قیاس اس لئے ہے کہ ان کا تذکرہ اس واقعے کے زیادہ قریب کے زمانے کا ہے۔

٩٤٠ھ میں ہمایوں نے شہر دین پناہ تعمیر کروایا تو شہاب الدین احمد معمائی نے اس شہر دین پناہ کے سلسلے میں ایک قطعہ تاریخ نظم کیا جو مندرجہ ذیل ہے۔

داور دوران پناه ملك ودين — خسرو عادل همایو بادشاه
کرد این شهر معظم را بنا — تاکنندش اهل دین آرام گاه
سال تاریخ بنایش نزد عقل — هست "شهر بادشاه دین پناه" ٩٤٠ھ

اس مصرع کی خوبی یہ ہے کہ اس نئے شہر، شہر دین پناہ میں بنوانے والے کا نام یعنی بادشاہ اور شامل کر دیا۔ جس سے "شهر بادشاه دین پناه"، مصرع کی شکل میں سال تاریخ بنانے شہر بڑی آسانی سے اس طرح نکل آیا کہ اس سال تاریخ میں ہی واقعے کی نوعیت جھلک نے لگی۔

٩٤٢ھ میں محمد رحیم سلطان کا دانت نکلوانے کی بنا پر انتقال ہو گیا۔ کاروان ہند میں اس واقعے کو مختصراً لکھا گیا ہے۔

"وقتیکه محمدرحیم سلطان دندان خودرا کند وواسطه آن از دنیا رحلت نمود،
تاریخ آن را این چنین گفت۔ (کند دند ان و رفت از دنیا" (=٩٤٢) (٧٠)

جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے کہ اگر تاریخ کے مصرعے سے واقعے کی نوعیت کا پتہ معلوم ہو جائے تو وہ مصرع نہایت جامع اور پر فن کہلاتا ہے۔ اس کسوٹی پر مندرجہ بالا تاریخ اپنی مثال آپ ہے کہ واقعے کو درج کیا اور تاریخ وفات حاصل ہو گئی۔

٩٥٠ھ میں مرزا قاسم گونابادی نے شاہ طہماسپ کے حکم سے شاہنامہ فردوسی کے وزن میں شہنشاہ نامہ نظم کیا۔ جس کی تاریخ مندرجہ ذیل دو اشعار کے ذریعے ایک لفظ مشتری سے ظاہر کی جیسا کہ میخانے میں درج ہے۔ (٧٠)

گهرها که آورده ام درشمار — شمارش بود پنج باره هزار

بود در سوادم زنیك اختری   طلب سال تاریخش از "مشتری" ۹۵۰ھ

۹۵۲ھ میں شیر شاہ سوری ایک توپ کا معائنہ کرتے وقت اس کے پھٹ جانے سے نذر آتش ہو کر اس دنیا سے چل بسا تو اسی واقعے سے متاثر ہو کر اس کے انتقال کی تاریخ "ز آتش مرد" ۹۵۲ھ حاصل کی گئی۔ جن تین الفاظ سے یہ تاریخ لکھی گئی ہے اس واقعے کی اس سے بہتر تاریخ نکالنا ممکن نہ تھا۔ بادشاہوں میں شیر شاہ سوری تنہا بادشاہ ہے جس کی وفات آگ میں جھلس جانے سے ہوئی ہے لہٰذا ان تین الفاظ سے نکلنے والی تاریخ سے ہر دانشور قیاس کر سکتا ہے کہ شیر شاہ کی موت کا سال ہے۔ جسے داؤدی نے بالتفصیل بیان کیا ہے قطعہ تاریخ مندرجہ ذیل ہے:

شیر شاهی که از مهابتِ او   شیر وبُز آب را بهم می خورد
چون برفت از جهان بدارِ بقا   گشت تاریخ او "ز آتش مرد" ۹۵۲ھ

۹۵۱ھ میں نصر آبادی نے ہمایوں بادشاہ کے ایران جانے اور شاہ طہماسپ شاہ ایران کی پناہ میں رہنے کے لئے اس سے ملاقات کی، اتفاق سے اسی زمانے میں بادشاہ روم بھی طہماسپ کے پاس حاضر ہوا تو ان خوشگوار واقعات کو ملا محتشم نے بڑے سلیقے سے دو تاریخوں میں نظم کیا پہلی تاریخ ۹۵۱ھ اور دوسری تاریخ ۹۵۲ھ آشکار کرتی ہے۔

"دولت چو سر بذروه فتح و ظفر کشید   وز رخ گشود شاهد امن و امان نقاب
بر مسند سرور مکین شاه کامران   دارای آفتاب سریر فلك جناب
طهماسپ خان شاه جهانشاه شه نشان   پرکار وار نقطه کل نقد بوتراب
ازیك طرف همای همایون که کام دهر   جست از رکاب بوسی او گشت کامیاب
از جانب دگر خلف بادشاه روم   از پای بوس او سر خود سود بر سحاب
تاریخ آن قران طلبیدم زعقل گفت   بوسید کامجوی جهان شاه را رکاب
۹۵۱
تاریخ این مقارنه کردم سوال گفت   ماه عجب رسید بپابوس آفتاب
۹۵۲ (۷۱)

ہمایوں ایران میں تقریباً پندرہ سال تک شاہ طہماسپ کی پناہ میں رہا ممکن ہے یہ دونوں مصرعے جداگانہ محفلوں میں سنائے گئے ہوں۔ لیکن یہ پوری نظم ایک ہی قافیہ ردیف میں ہے جس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ

یہ نظم ۹۵۲ھ میں کہی گئی جس میں ۹۵۱ھ کا تذکرہ بھی کیا گیا۔ تاریخ کا دوسرا مصرع "ماہ" اور "آفتاب" کے کنایوں سے مزین ہے۔ جو کیفیت ماہ اور آفتاب کے درمیان جانی جاتی ہے کہ ماہ آفتاب کے گرد چکر لگاتا ہے۔ اور اسی کے نور کے پرتو سے خود بھی چاندنی بکھیرتا ہے یعنی ماہ آفتاب کی روشنی کا محتاج ہے یہاں ہمایوں کو ماہ سے تشبیہ دے کر اسی طرح کسب ضیا کی تمنا کی گئی ہے جس طرح چاند، سورج سے پاتا ہے۔ نظام سیارگان میں آفتاب ماہ کو روشنی عطا کرنے کے نظام میں شامل بھی ہے اور مجبور بھی، شاہ طہماسپ بھی اپنی خورشید نما خصلت کی بنا پر ماہ نما ہمایوں کی مدد کو آمادہ ہے۔ اس طرح تاریخی مصرع صرف واقعاتی نظام کو ظاہر نہیں کرتا ہے بلکہ اس واقعے کے زیر اثر ہونے والے واقعات کی عکاسی بھی کر رہا ہے۔

۹۵۵ھ میں ہمایوں اور شاہ طہماسپ کی ملاقات کو ریاض الشعرا میں بھی تحریر کیا گیا ہے۔

"دایم همای دولت آید به سایه شاه" تاریخ رفتن آن جم جاه است به نزد شاه طهماسپ مغفور ماضی صفوی۔" (۷۲)

مشہور ہے کہ ہما پرندہ جس کے سر کے اوپر سے گزر جاتا ہے اسے شاہی ضرور نصیب ہوتی ہے۔ شاعر نے مندرجہ بالا مصرع کو اسی نوعیت پر تحریر کر کے اس سے سال تاریخ واقعہ برآمد کیا ہے کہ ہمیشہ "ہمای دولت" "بادشاہ کے سائے میں آتا ہے۔ یہاں "ہمایوں" لفظ سے کنایہ اور مجاز دونوں صنعتوں کا فائدہ اٹھایا گیا ہے۔ شاہ سے مراد شاہ طہماسپ ہے۔ اب ہمایوں بادشاہ شاہ طہماسپ کے سائے میں آ گیا ہے۔

۹۵۴ھ میں ریاض الشعرا کے قول کے تحت ہمایوں نے شاہ طہماسپ کی مدد سے کابل کو دوبارہ فتح کر لیا جیسا کہ علی قلی خان نے تحریر کیا ہے۔

"وتاریخ مراجعت وی به کابل به امداد شاه مغفور و فتح کردن کابل این مصرع است۔ "گفتا :

ع "نوید فتح همایون رسید باز" ۹۵۴ (۷۳)

مندرجہ بالا مصرع جس کا مطلب ہے ہمایوں کو دوبارہ فتح کی خوشخبری پہنچی۔ یہی اصل واقعہ بھی ہے اور اس واقعے کو ہمایوں کے نام کے ساتھ جوڑ کر واضح کر دیا کہ ہمایوں کو دوبارہ فتح مل گئی یہ فتح کس سال میں ملی ہے یہ لفظوں کی معنوی صورت بتائے گی جس کی رو سے اس مصرع کے عدد ۹۵۴ ہوتے ہیں اور یہی دوبارہ کابل کو فتح کرنے کا سال ہے۔

۹۶۰ھ میں کامران مرزا ابن بابر بادشاہ کو نابینا کر دیا جاتا ہے۔ جس کی تاریخ واقعے کی مناسبت سے

مندرجہ ذیل ہے۔

ع چشم پوشید زبیداد سپہر ۹۶۰ھ

۹۵۶ھ میں بہرام میرزا ابن شاہ اسمٰعیل صفوی کا عین جوانی میں انتقال ہوا جو اپنے بھائی شاہ طہماسپ کے زمانے میں قندھار کا امیر تھا۔ کسی شاعر نے اس کی تاریخ وفات مندرجہ ذیل مصرع سے نکالی۔

ع حیف از بهرام میرزای حسینی حیف حیف (۷۴)

متذکرہ مصرع میں حیف کی تکرار سے جہاں مصرع میں روانی پیدا ہوئی ہے وہیں غم واندوہ کی پرسوز کیفیت پیدا ہو رہی ہے یہ سب کس کے لئے ہے "بہرام میرزا حسینی" کا نام تحریر کر دیا گیا یعنی بہرام مرزا کا انتقال ہو گیا جس کی معنوی تاریخ اس مصرع سے ۹۵۶ھ برآمد ہوگی۔

۹۵۸ھ میں ہمایوں کے بھائی میرزا ہندال پسر بابر بادشاہ کو قتل کر دیا گیا۔ اور یہ قتل بھی اسی کے بھائی کامران مرزا کے شب خون مارنے کے سبب ہوا۔ اس کی موت پر موزوں کیا گیا مصرع تاریخ درج ذیل ہے۔

ع "سرو از بوستان دولت رفت" ۹۵۸ھ (۷۵)

اس تاریخ کے مصرع میں کسی کا نام درج نہیں ہے لیکن سرو کا استعارہ میرزا ہندال کے لئے ہے سرو کیونکہ باغ میں ہوتا ہے لہٰذا حکومت کو بوستاں سے تشبیہ دی گئی ہے۔ یہ تشبیہ بابر کے لئے بھی ہو سکتی ہے۔ کیوں کہ یہ حکومت کا باغ اسی کا لگایا ہوا ہے اور اس کے بیٹوں کے درمیان جنگ جاری ہے گویا بابر کے چمن کا سرو یعنی میرزا ہندال رخصت ہو گیا۔ اس مصرع کا حسن انھیں تشبیہات کی بنا پر دوبالا ہو گیا ہے۔ اور ان حروف کے عدد میں پوشیدہ تاریخ ۹۵۸ھ ہے۔

۹۶۹ھ میں ہندوستان کے تین بادشاہوں کا انتقال ہوا۔ ان میں دہلی کے خاندان سوری کا دوسرا بادشاہ اسلام شاہ سوری، سلاطین گجرات سے بارھواں بادشاہ محمود شاہ سوم اور احمد نگر کے نظام شاہی کا دوسرا بادشاہ برہان اول کے نام شامل ہیں کسی شاعر (غلام علی استر آبادی) نے ہندوستان کے ان بادشاہوں کی وفات پر ایک تاریخی قطعہ اس طرح موزوں کیا کہ ان تینوں بادشاہوں کا سال وفات برآمد ہو جاتا ہے۔

سه خسرو را اجل آمد به یک سال	که هند از عدل شان دار الامان بود
یکی اسلام شه سلطان دهلی	که اندر عهد خود صاحبقران بود
دوم محمود شه سلطان گجرات	که همچو دولت خود نوجوان بود
سوم آمد نظام الملک بحری	که در ملک دکن خسرو نشان بود

زمن تاریخ فوت این سه خسرو	چه می پرسی: "زوال خسروان" بود

۹۶۹ (۷۷)

مندرجہ بالا قطعہ میں "زوال خسروان" سے سال تاریخ برآمد کیا گیا ہے۔ "خسروان" خسرو یعنی بادشاہ کی جمع ہے۔ یہ اشارہ ہے اس سمت کہ ایک سے زیادہ بادشاہوں سے ہندوستان خالی ہو گیا۔ اب یہ قاری کا کام ہے کہ وہ تلاش کرے کہ کتنے بادشاہوں کا زوال موت کے ہاتھوں ہوا۔ جواب تاریخی شعر کے پہلے مصرع میں موجود ہے کہ "سہ خسرو" تین بادشاہوں سے ہندوستان خالی ہو گیا۔ جن کے نام قطعے کے مندرجہ اشعار میں موجود ہیں۔ تاریخی مصرع میں تو کوئی جدت نہیں پائی جاتی ہے البتہ ایک قطعے سے تین بادشاہوں یا شخصیتوں کے مرنے کی تاریخ وفات برآمد کرنا ایک جدت ضرور تھی۔ جس کا فائدہ ہر اس موقعے پر اٹھایا گیا جب کبھی بھی ایسا مشترکہ حادثہ ہوا۔ چنانچہ ایسی مثالیں بارھویں صدی ہجری میں بھی ملتی ہیں۔

۹۶۳ھ میں ہمایوں بادشاہ ۷/ربیع الاول بروز جمعہ عصر کے وقت اپنے کتب خانے کی سیڑھیوں سے گر کر فوت ہو گیا۔ ملا قاسم کاہی نے تاریخ وفات مندرجہ ذیل مصرع سے برآمد کی۔

ع همایون پادشاه از بام افتاد ۹۶۲ھ (۷۶)

ریاض الشعرا میں یہ مصرع اسی طرح درج ہے۔ گو کہ اس مصرع میں سبھی لوازمات جمع کر دئے گئے ہیں۔ واقعے کی بھی عکاسی مع بادشاہ کے نام کے موجود ہے۔ لیکن اس مصرع سے ۹۶۳ھ عدد برآمد نہ ہو کر صرف ۹۶۲ عدد برآمد ہوتے ہیں یعنی اصل واقعے کے سال سے ایک عدد کم۔ جو لازمی طور پر تعمیہ تدخلہ کے ذریعہ پورا کیا گیا ہوگا۔ جس کا اشارہ مصرع اول میں ہوگا۔ جسے ریاض الشعرا میں درج نہیں کیا گیا ہے۔ ایک دوسرے تذکرے میں یہ مصرع اس طرح ملتا ہے۔

ع همایون پادشا از بام اوفتاد ۹۶۳ھ

جس کے عدد ۹۶۳ ہوتے ہیں۔ یہی مصرع صحیح معلوم ہوتا ہے، اسی حادثہ پر ایک دوسرا مصرع اور بھی ملتا ہے۔

ع "همایون کجا رفت و اقبال او" ۹۶۳ھ

گو کہ اس مصرع میں پہلے مصرع جیسی واقعیت تو نہیں ہے لیکن شاہی دربار سے متعلق الفاظ سے مصرع کو سجایا سنوارا گیا ہے۔ مصرع کو استفہامیہ انداز میں بیان کر کے تجاہل عارفانہ سے کام لیا گیا ہے معلوم ہے کہ ہمایوں کا انتقال ہو چکا ہے اور اسی کی تاریخ وفات نکالی جا رہی ہے۔ دوسرا ہنر یہ بھی ہے کہ جب ہمایوں مر گیا تو اس کا اقبال ختم ہو گیا۔ اقبال ختم ہونا بھی موت کی نشانی ہے۔ اس مصرع سے معنوی تاریخ کی صورت پیدا ہوتی ہے۔

جس میں ۹۶۳ھ کے عدد روپوش ہیں جو ہمایوں کے سال وفات پر صاد ہیں۔ عبدالحی ''مشہدی نے اس حادثے سے متاثر ہو کر واقعے کی نوعیت بیان کرتے ہوئے ایک صاف ستھری تاریخ برآمد کی ہے۔

ع ای وای پادشاہ من از بام اوفتاد ۹۶۳ھ

یہ مصرع ملا قاسم کاہی کے مصرع سے بھی بہتر کہا گیا ہے۔ جس میں ''ای وای'' سے غم واندوہ کی کیفیت نمایاں ہے گو ''میرا بادشاہ'' جیسی اپنائیت کا بیان اور پھر واقعے کی نوعیت اوپر سے گر گیا ہے واضح ہو جاتی ہے۔ قاسم کے مصرع میں ہمایوں کا نام موجود ہے۔ جس کی کمی میرا بادشاہ کہہ کر پوری کر دی گئی۔ اس مصرع سے ۹۶۳ھ سال وفات ہمایوں برآمد ہوتا ہے۔

۹۶۳ھ میں ہمایوں کا بیٹا اکبر بادشاہ بنا تو تاریخ ایک مصرع سے اس طرح نکالی گئی ہے۔

ع بی همایوں بادشه اکبر شد ۹۶۳ھ

اس مصرع میں ایک خبر کے ذریعے تاریخ برآمد کی گئی ہے جس میں ماضی کے تذکرے کے بعد حال کا احوال بیان کیا گیا ہے۔ ''بی همایوں'' یعنی ہمایوں نہیں رہا تو (اس کا بیٹا) اکبر بادشاہ ہو گیا۔ پانچ الفاظ کے اس مصرع میں ایک ساتھ دو واقعات بیان کر دئے گئے ہیں۔ جو ایک دوسرے سے منسلک ہیں جب ہمایوں کا انتقال ہوا تو اس کا بیٹا اکبر بادشاہ بنا اور یہ سال ۹۶۳ھ ہے۔ جو اس مصرع کے حروف کے عدد سے برآمد ہوتا ہے۔ اکبر کا دور ہندوستان میں فارسی زبان کی ترقی کا سب سے شاندار و تابناک زمانہ ہے۔ یہی دور فارسی تاریخ گوئی کا بھی چمکتا ہوا دور ہے جس میں اس فن کی خوب ترقی بھی ہوئی اور سرپرستی بھی۔ اسی دور میں بات بات پر تاریخیں برآمد کی جارہی تھیں یہی وجہ ہے کہ اکبر کی مسند نشینی کے سال سے متعلق کئی تاریخیں حاصل کی گئیں جن میں سے صرف ایک تاریخ اور درج کی جاتی ہے۔

ع جلوس خداوند عالم پناه ۹۶۳ھ

یہ تاریخ اکبر کے جلوسِ اول کی ہے۔ واقعے کا بیان بھی ہے۔ لیکن متذکرہ بالا مصرع جیسا حسن ناپید ہے۔

۹۶۴ھ میں اکبر کو ایک خطرناک جنگ لڑنا پڑی جو اس کی پہلی جنگ تھی جبکہ ہیمو نے دہلی پر قبضہ کر لیا تھا۔ بیرم خان کی سپہ سالاری میں اکبر نے اس جنگ کو فتح کر لیا ہیمو اپنے ہاتھی کی پشت پر ہی ایک تیر کا نشانہ بنا تو اشرف خراسانی نے اس فتح پر ایک دلکش تاریخ برآمد کی جس کا تذکرہ منتخب التواریخ جلد ۲ میں موجود ہے۔

''درباره کشته شدن هیموی هندو که سپاهی عظیم گرد آورده خودرا موسوم به بکرما جیت کرده وبر دهلی مسلط یافته بود قطعهٔ تاریخی ذیل را گفته است''

زروی مکر وتزویر و دغا گر حضرت دهلی | به دست افتاد ناگه از قضا هیموی هندو را
جلال الدین محمد اکبر آن شاه فلک رفعت | به عون لطف حق بگرفت هندوی سیه رو را
دبیر صنع بر لوح بقا با خامه قدرت | رقم زد بهر سال فتح آن "بگرفت هیمو را" ۹۶۴ھ

''بگرفت هیمورا'' سے ۹۶۴ھ، عدد برآمد ہوتے ہیں یہی اکبر کا پہلی فتح حاصل کرنے کا سال ہے۔

۹۶۸ھ میں اکبر کے سرپرست بیرم خاں کو شہید کر دیا گیا۔ ریاض الشعرا میں اس کی مندرجہ ذیل تاریخ درج ہے۔

ع شهید شد محمد بیرام ۹۶۸ھ

مصرع میں نام کے ساتھ مرنے کی وجہ شہید ہونا بتایا گیا ہے۔ لیکن ''کاروان ہند'' میں قاسم ارسلان مشہدی کی نکالی ہوئی اس تاریخ کا مندرجہ ذیل قطعہ درج ہے۔

بیرام به طوف کعبه چون بست احرام | در راه شد از شهادتش کار تمام
در واقعه هاتفی پی تاریخش | گفتا که "شهید شد محمد بیرام" ۹۶۸ھ

۹۶۹ھ میں شاہ طہماسپ اور شاہ روم کے درمیان ایک صلح عمل میں آئی۔ قاضی عطاء اللہ رازی نے اس خوشگوار واقعے کی تاریخ نکالی جسے تذکرہ نصرآبادی میں ضبط کر لیا گیا ہے۔

پادشاه روم وشه کامگار | صلح چو کردند بهم اختیار
ازپی تاریخ گرفتم قلم | تازه شد از کلک رهی این رقم
منهی اقبال درین کهنه دیر | غلغله افکند که "الصلح خیر" ۹۶۹ھ (۷۸)

''الصلح خیر'' سے سالِ صلح برآمد ہوتا ہے۔ جس سے واقعے کی ترجمانی بھی ہوتی ہے۔

۹۶۹ھ میں ہی ماہم بیگم نے ایک مسجد اور مدرسہ بنوایا۔ ماہم بیگم کو اکبر کے مزاج میں بہت دخل حاصل تھا۔ مسجد اور مدرسے پر کتبہ کی شکل میں شہاب الدین معمائی کی برآمد کردہ ایک تاریخ تحریر ہے۔

''بدوران جلال الدین محمد | که باشد اکبر شاهان عادل
چو ماهم بیگم عصمت پناهی | بنا کرد این بنا بهر افاضل
ولی شد ساعی این بقعه خیر | شهاب الدین احمد خان باذل
زهی خیریت این بقعهٔ خیر | که شد تاریخ او "خیر المنازل".

یہ مسجد "خیر المنازل" کے نام سے ہی معروف ہے۔ جس کے ۹۶۹ عدد شمار ہوتے ہیں۔

۹۷۶ھ میں جب اکبر نے فتح پور سیکری کی مسجد تعمیر کروائی تو ملا بدایونی نے مندرجہ ذیل تاریخ رقم کی۔

قال روح الامین تاریخھا — لا یری فی البلاد ثانیھا ۹۷۶ھ

یہ تاریخ مسجد کی مناسبت سے عربی میں برآمد کی گئی ہے۔ جس کے دوسرے مصرع سے ۹۷۶ھ عدد برآمد ہوتے ہیں۔

۹۷۷ھ میں شہزادہ سلیم کی ولادت ہوئی تو اکبر کے گھر میں ایک جشن کا ماحول پیدا ہو گیا۔ خواجہ حسن مروی نے اس جشن میں ایک ایسا قطعہ سنایا کہ جس کے ہر مصرع سے تاریخ برآمد ہوتی ہے التزام یہ رکھا گیا ہے کہ پہلے مصرع سے اکبر کا سال جلوس برآمد ہوتا ہے تو ہر دوسرے مصرع سے جہانگیر کی ولادت کا سال عیاں ہوتا ہے۔ جس کا مطلع بطور مثال تحریر کیا جا رہا ہے۔

لله الحمد از پی جاه وجلال شهر یار — گوهر مجد از محیط عدل آمد در کنار

۹۶۳ھ — ۹۷۷ھ (۷۹)

غالباً یہ پہلا موقع ہے جب کسی شاعر نے قصیدے کے اکتیس شعروں کے ۶۲ مصرعوں سے تاریخیں برآمد کیں۔ کہتے ہیں کہ اکبر نے یہ قصیدہ سن کر پسند ہی نہیں فرمایا بلکہ خواجہ حسن کو دو لاکھ تنکہ بطور انعام عطا کئے۔ اس طرح ایک مکمل قصیدے سے تاریخ نکالنے کا رواج عام ہوا۔

۹۷۹ھ میں اکبر کے یہاں دوسرا فرزند شاہزادہ مراد پیدا ہوا تو مولانا قاسم ارسلان نے ایک ایسا قصیدہ پیش کیا جس کے پہلے مصرع سے شاہزادہ سلیم کی ولادت کی تاریخ اس کے نام کے ساتھ اور دوسرے مصرع سے شہزادہ مراد کی پیدائش کا سال حاصل ہوتا ہے۔ جس کا مطلع مندرجہ ذیل ہے۔

ز نور پاک چو سلطان سلیم شد نازل — لوای شاه مراد ابن اکبر عادل

۹۷۷ھ — ۹۷۹ھ

دونوں مصرعوں میں واقعات کی عکاسی بھی ہے اور واقعات کا جن شخصیات سے خاص تعلق ہے ان کے نام بھی موجود ہیں رعایت لفظی کا کیف تو اس دور کی خاص علامت بن چکا تھا۔ جو اس تاریخ میں بھی موجود ہے۔

۹۸۰ھ میں اکبر نے سلیم چشتی کی خانقاہ تعمیر کروائی تو اس کے سامنے ایک بلند دروازے کا اہتمام کیا جو آج بھی اسی نام سے مشہور ہے۔ شیخ فیضی نے جو دربار اکبری کا ملک الشعرا اسی سنہ میں بنایا گیا تھا۔ اس خانقاہ اور دروازہ کی تاریخ ایک ہی قطعے کے دو مصرعوں سے برآمد کی جو مندرجہ ذیل ہے۔

آن خانقهی که سوده بر چرخ سرش — فرموده بنا پادشه بحرو برش

تاریخ بناست "خانقاه اکبر" — "دروازه خانقاه" تاریخ درش

۹۸۰ھ — ۹۸۰ھ (۸۰)

تیسرے اور چوتھے مصرعوں میں "خانقاہ اکبر" کے حروف کے عدد ۹۸۰ ہوتے ہیں۔ "دروازہ خانقاہ" کے حروف کے عدد بھی ۹۸۰ ہوتے ہیں یہی سال تعمیر ہے۔ دونوں تاریخوں میں واقعے کی روداد مع نام عیاں ہے۔

۹۸۴ھ میں جب شاہ اسمٰعیل دوم تخت نشین ہوئے تو محتشم کاشانی نے اس جشن کا سال تاریخ چھ رباعیوں میں اس التزام کے ساتھ برآمد کیا کہ ہر مصرع سے یہ سال برآمد کیا جا سکتا ہے۔ دوسرا التزام یہ بھی رکھا کہ ہر شعر کے نقط اور بے نقط حروف کے عدد سے یہ سال جلوس برآمد کیا جا سکے اس طرح ہر مصرع کو رباعیوں کے کسی بھی مصرع میں شامل کر کے نقط اور بی نقط حروف کے عدد سے سال جشن برآمد کیا جا سکتا ہے یہاں تک کہ ان چھ رباعیوں میں ایک ہزار ایک سو اٹھائیس طریقے سے یہ تاریخ نکالی جا سکتی ہے۔ جس کی تفصیل بیان کی جا چکی ہے۔ لہٰذا صرف ایک رباعی مثال میں لکھی جاتی ہے۔

از ملك و ملوك مادرین بیت جلیل — كا راسته صد بلده از آیین جمیل

هر گنج كز آ بادی گیتی و دهور — گرد آمده باد وقف شاه اسمیل

۹۸۴ — ۹۸۴

یہ بادشاہ دو سال سے زیادہ حکومت نہ کر سکا اسی بنیاد پر میر حیدر معمائی نے شاہ اسمٰعیل دوم کی تاریخ تخت نشینی

ع "شہنشاہ روی زمین" سے برآمد کی ان حروف کے عدد ۹۸۴ ہوتے ہیں۔

۹۸۵ھ میں شاہ اسمٰعیل دوم کی وفات ہو جاتی ہے۔ تو حیدر معمائی نے اپنے پہلے مصرع میں بڑے سلیقے سے ترمیم کی اور شہنشاہ روی زمین کی جگہ قبر میں دفن ہونے کی مناسبت سے ایک دوسرے مصرع میں تاریخ وفات اس طرح موزوں کی۔

ع — شهنشاه زیر زمین

پھر ان دونوں مصرعوں کو ایک قطعہ میں پرو دیا۔

"دریغا ز شاهی که دوران ندادش — زیاده زیك سال وششماه مهلت

"شهنشاه روی زمین" سال شاهیش — "شهنشاه زیر زمین" سال رحلت (۸۱)

شہنشاہ زیرِ زمین'' تین الفاظ پر مبنی تاریخ میں واقعے کے اعتبار سے بڑی وسعت پائی جاتی ہے۔ شہنشاہ کے احترام میں مرنے والے کے لئے کہنا کہ اب یہ وہاں (دوسری دنیا) میں بھی شہنشاہی کرے گا۔ مرنے والے کے نام کی جگہ بطور کنایہ ''شہنشاہ'' کا التزام پھر موت کا سماں اور تین الفاظ میں سال وفات ۹۸۵ھ برآمد کرنا تاریخ گوئی کی معراج ہے۔

۹۹۴ھ میں عبدالرحیم خانخانان کے یہاں دوسرا بیٹا داراب خان پیدا ہوا تو لطفی تبریزی نے تاریخ ولادت کہہ کر ایک قطعہ تحریر کیا۔ جس کا آخری شعر مندرجہ ذیل ہے۔

زلطفی خواستم تاریخ سالش بگفتا: آفتاب دین و دولت ۹۹۴ھ (۸۲)

آفتاب سے مراد روشنی پھیلانے والا فرزند بھی گھر کا چراغ کہلاتا ہے۔ دین و دولت کنایہ ہے عبدالرحیم خانخانان کی ان صفات کی طرف جن کی فیاضی جز و دین و دولت سے کم نہیں ہے۔ خانخانان اسی طرح کی بہت سی خصوصیات کا حامل تھا۔ لہٰذا ''آفتاب دین و دولت'' سے تاریخ برآمد کرنا واقعے کی عکاسی بھی ہے۔ باپ بیٹے کی خصوصیات پر ایک تبصرہ بھی ہے۔ ان الفاظ کے عدد ۹۹۴ھ ہوتے ہیں جو داراب خان کا سال ولادت ہے۔

۱۰۰۰ھ میں جہانگیر بادشاہ کے یہاں شاہجہاں کی ولادت ہوئی۔ سعیدای گیلانی نے شاہجہاں کی ولادت سے لے کر اس کے خاص خاص کارناموں کی تاریخیں ایک قصیدے میں جمع کی ہیں۔ جس کا مطلع شاہ جہاں کی ولادت سے متعلق تاریخ ہے۔

خدای واحد بیچون جهان نمود عیان برای شاه جهان، پادشاه کل جهان
۱۰۰۰ ۱۰۰۰ (۸۳)

اہل دانش اچھی طرح جانتے ہیں کہ شاہ جہاں نے یہ نام خود بادشاہ بننے کے بعد اختیار کیا تھا۔ جس پر آگے چل کر تاریخ گوئی کے حوالے سے گفتگو کی جائے گی۔

۱۰۰۷ھ میں شاہزادے مراد بن اکبر بادشاہ کی وفات ہوجاتی ہے۔ جس کی تاریخ وفات مندرجہ ذیل مصرع سے حاصل ہوتی ہے۔

ع ''از گلشن اقبال نهالی شده کم''
۱۰۰۷

اس مصرع میں حادثے کا بیان اور مکمل تاریخ ہے۔ اکبر اور مراد دونوں کا تعارف استعاراتی انداز میں کیا گیا

ہے۔

۱۰۱۰ھ میں شاہ عباس، امام رضا علیہ السلام کے روضہ کی زیارت کے لئے پیادہ پا مشہد میں حاضر ہوا تو مرزا حسن علی نصر آبادی نے مبارکباد کے طور پر ایک قطعہ تاریخ پیش کیا جسے سن کر بادشاہ نے نہایت خوشی کا اظہار کیا۔

''از حق موفق آمد شاه جهان که سازد چون چار رکن گیتی رکن هدی مسخر
از مطلع دل او مهر طواف سرزد طوف امام ضامن کز گفته پیمبر
هفتاد حج اکبر آمد یکی طوافش این نکته صحیح است نزدیك نکته پرور
صدقش رفیق و توفیق همراه و همسفربخت ۔ در ره پیاده پویان چون آفتاب انور
تاریخ این سفر خواست از شاه طبع گستاخ گفتا ''پیاده کردم هفتاد حج اکبر''
۱۰۱۰ھ (۸۴)

''پیادہ کردم ہفتاد حج اکبر'' مصرع کے جز سے بحساب ابجد ۱۰۱۰ عدد حاصل ہوتے ہیں اسی سنہ میں شاہ عباس نے مشہد کا سفر پیدل طے کیا تھا۔

۱۰۱۱ھ میں شاہ عباس اول نے ایک خوبصورت باغ بنوایا جس میں ایک خوبصورت عمارت بھی تعمیر کی میرزا جلال منجم نے بادشاہ کے حکم سے ایک قطعہ تاریخ اسی مناسبت سے تحریر کیا جس کا آخری شعر مندرجہ ذیل ہے۔

''خانه دلکشا'' شدش تاریخ چون که از کلب آستان علی است
(۸۵)
۱۰۱۱ھ

شاہی منزل کی مناسبت سے ''خانہ دلکشا'' سے تاریخ نکالنا پرواز تخیل کی بہترین مثال ہے جس سے ۱۰۱۱ عدد شمار ہوتے ہیں۔

۱۰۱۱ھ میں شاہزادہ سلیم نے اپنے لئے ایک تخت آگرے کے قلعے میں بنوایا تھا جس پر مندرجہ ذیل مصرع تاریخ کندہ کیا گیا تھا۔

''پی تاریخ او بفکر شدم مددی جستم از خدای حکیم
تا فلك تختگاه خورشید است گفت'' ماند سریر شاه سلیم ۱۰۱۱ھ

''ماند سریر شاہ سلیم'' سے سال وقوع ۱۰۱۱ھ برآمد ہوتا ہے مصرع میں بھی لوازمات موجود ہیں۔ ۱۰۱۴ھ میں مغل اعظم جلال الدین محمد اکبر شاہ کی وفات ہوجاتی ہے۔ اس عظیم بادشاہ کا غم عوام کے چہروں پر پڑھا جا

سکتا تھا کیوں کہ اس کی صلح کل کی سیاست نے ہر قوم کو اس کا گرویدہ بنادیا تھا۔ خود شعرا حضرات بھی اسی کی پالیسی کے تحت ایران چھوڑ کر ہندوستان کے سفر پر آمادہ ہو رہے تھے۔ ایران کا بڑے سے بڑا شاعر ہندوستان کے سفر کا خواہشمند تھا۔ چنانچہ جیسے ہی یہ خبر میر حیدر معمائی کے کانوں تک پہنچی تو فی البدیہہ اس نے تاریخ کا مصرع پڑھا۔

"الف کشید ملائك ز "فوت اکبر شاه" (۸۶)

فوت اکبر شاہ کے عدد ۱۰۱۵ ہوتے ہیں۔ معمائی نے اسے تعمیہ اس لئے بھی بنایا کہ "الف کشید" کا ایک مطلب ماتم کناں ہونا بھی ہے جیسا کہ فرہنگ آنندراج میں درج ہے۔ "برسینہ بریدن، الف برسینہ کشیدن، الف داغ: داغ سوختن۔ یعنی فرشتے بھی اس کے غم میں شریک ہیں۔ دوسرے اس تاریخ سے "الف" جس کا ایک عدد ہوتا ہے کم کردیا جائے تو یہ تاریخ ۱۰۱۵-۱=۱۰۱۴ ہو جائے گی جو سال وفات اکبر شاہ ہے۔ معمائی اگر شاہ کی جگہ "شہ" کا استعمال کرتا تو یہ مصرع سالم ہو جاتا مگر اس نے ایسا جان بوجھ کر نہیں کیا ورنہ اس جیسے ہنرمند کی نظر سے یہ سامنے کا نکتہ روپوش نہ رہا ہوگا۔ جیسا کہ ایک دوسرے شاعر نے اس حادثے کی تاریخ مندرجہ ذیل مصرع سے نکالی ہے۔

ع "فوت شه اکبر" است تاریخ (۸۷)

اس مصرع کے مکمل عدد ۱۰۱۴ ہوتے ہیں جو سال وفات اکبر شاہ ہے۔

یہ تاریخ اتنی مقبول ہوئی کہ کئی شاعروں نے اس پر جداگانہ مصرع اپنی اپنی طرح سے چسپاں کئے ایک شعر اس طرح بھی ملتا ہے۔

"فوت اکبر شد از قضاء الله
گشت تاریخ "فوت اکبر شه" سنہ ۱۰۱۴ھ (۸۸)

۱۰۱۴ھ میں سلیم جہانگیر کے نام سے ہندوستان کا بادشاہ بنا، جہانگیر نہایت نکتہ سنج اور نکتہ رس تھا شعر العجم میں شبلی نعمانی نے اس کی جمالیاتی طبیعت کا ذکر اور اس کے شوق شاعری اور شاعری کے معاملات کو اچھی طرح پرکھنے والا بتایا ہے۔ ثبوت میں کچھ مثالیں بھی پیش کی ہیں اسی لئے اس کے زمانے میں تاریخ گویوں کو بھی ہر قسم کے آداب اور استعمال پر احتیاط سے کام لینا پڑا۔ سید محمد کرمانی عنایتی نے اس کی مسند نشینی کے موقع پر مندرجہ ذیل تاریخ لکھ کر پیش کی۔

"شده بلند مکان بحر جود اکبر شاه
برفت و طفل تمنا بدهر ماند یتیم

بجای او خلف او نشست شد تاریخ
بجای اکبر شه بادشاهزاده سلیم سنہ ۱۰۱۴ھ (۸۹)

اگر اس تاریخی مصرع پر غور کیا جائے تو دو جداگانہ واقعات کو جن میں ایک پر غم ہو، اور دوسرا جشن کا حسن لئے ہو تو بیان کرنا آسان کام نہ تھا وہ بھی جہانگیر جیسے ذی فہم بادشاہ کے سامنے، پہلے اکبر کی موت کی خبر دینا، پھر جہانگیر کے بادشاہ بننے کی خوشخبری پر تبصرہ کرنا محمد کرمانی ان دونوں منزلوں سے بہت خوبصورتی سے گذر گئے جیسا کہ مصرع سے ظاہر ہے کہ اصل واقعہ یہ ہے کہ بادشاہ بننے سے قبل سلیم شاہزادہ ہے یعنی ایک ہی پل میں شاہزادہ بادشاہ بننے والا ہے یہ دونوں واقعات ایک ہی مصرع سے نمایاں ہیں جس کا مطلب ہے اکبر بادشاہ کی جگہ اس کا بیٹا (بادشاہ زادہ) سلیم بادشاہ بنا۔ مصرع مکمل ہے۔ جس کے عدد ۱۰۱۴ ہوتے ہیں جو اکبر کی وفات اور سلیم کی تاجپوشی کا سال ہے۔

۱۰۲۰ھ میں گولکنڈہ کے بادشاہ محمد قلی قطب شاہ کے انتقال پر محمد بیگ نے مندرجہ ذیل تاریخ برآمد کی۔

"محمد قلی قطبشاه آنکه بود
به خرم دلی خوبتر از بهشت

چو رفت از نظر آن بهشت آشیان
چو دوزخ جهان در نظر گشت زشت

بسا تخم نیکی که آن کامگار
کریمانه در مزرع دهر کشت

پی سال تاریخ آن نیك نام
رقم زد خرد "پادشاه بهشت"
سنہ ۱۰۲۰ھ (۹۰)

"پادشاہ بہشت" سے ۱۰۲۰ اعداد برآمد کئے گئے ہیں۔ قطب شاہ کے نام کی مناسبت سے پادشاہ کا استعمال بطور کنایہ کیا گیا ہے۔ بہشت موت کی علامت ہے لہٰذا یہ دونوں الفاظ واقعے سے قریب ہیں۔

۱۰۲۰ھ میں ہی شاہ عباس اول نے قیصر روم سے جنگ کر کے گنجہ پر قبضہ کیا تو ملا شری قزوینی نے مندرجہ ذیل قطعہ تاریخ فتح گنجہ تحریر کیا۔

باکر شاه ولایت عباس
گنجه را بستد از رومی شوم

سال فتحش ز خرد پرسیدم
گفت "گردیده فنا قیصر روم" سنہ ۱۰۲۰ھ (۹۱)

جب قیصر روم فنا ہوا یعنی ہار گیا تو اس کی شکست میں شاہ عباس کی فتح خود بخود نمایاں ہوگئی۔ مصرع میں واقعاتی تاثر بدرجہ اتم موجود ہے جس سے پوری فتح کی خبر موصول ہوتی ہے۔ مصرع سے ۱۰۲۰ سال فتح حاصل ہوتا ہے۔

۱۰۲۱ھ میں جہانگیر بادشاہ نے ایک سرای تعمیر کروائی تو مرزا محمد مہدی نادر زمانی نے اس کی مندرجہ ذیل تاریخ تعمیر برآمد کی۔

بود تاریخ عشرت گاہ شاہی — بنای خانہ نور الٰہی ۱۰۲۱ (۹۲)

نورالدین کی مناسبت سے نورالٰہی کا استعمال کیا گیا ہے۔ اور سرائے چونکہ مخلوق خدا کے آرام کے لئے ہوتی ہے لہٰذا اسے خانہ نورالٰہی سے تعبیر کر کے اس کی بنیاد کا اعلان کر دیا گیا مصرع سے ۱۰۲۱ اعداد شمار کئے جا سکتے ہیں۔

۱۰۲۱ھ میں جہانگیر بادشاہ کے زمانے میں مہربان آغا خان نے ایک پل تعمیر کروایا تھا جو بارہ پلے کے نام سے مشہور ہوا۔ اس پر مندرجہ ذیل تاریخ کھدوائی گئی تھی جس کے نو اشعار میں جہانگیر کے زمانے کی خصوصیات بتائی گئی ہیں آخری چار اشعار مع تاریخ کے یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔

"مخلص خاص مہربان آغا — خادم قصر شاہ محرم کل
کرد تعمیر این پل از شفقت — کہ شود دستگیرش آن سر کل
سال تاریخش از فلک جستم — گشت رویش زخرمی گل گل
گفت بردار خانہ و بنویس — بستہ از راہ مہربانی پل

۱۰۲۱ھ

آخری مصرع سے ۱۰۲۱ سال تعمیر برآمد ہوتا ہے مصرع برموقعہ ہے۔ جس کا مطلب ہے۔ مہربانی کر کے یہ پل تیار کروایا گیا۔

۱۰۲۳ھ میں گولکنڈہ میں شہزادے عبداللہ قطبشاہ کی ولادت ہوئی تو نظام شیرازی نے جو گولکنڈہ کے دربار کا شاعر تھا جشن ولادت کے موقع پر ایک قطعہ تاریخ نظم کیا جس کے آخری دو شعر مندرجہ ذیل ہیں۔

"آن گوہر یگانہ کہ از بطن نہ صدف — آمد برون بہ شعشعہ مہر خاوری
در داد این ندا پی تاریخ، عقل کل — "باحسن یوسف آمد و شان سکندری

۱۰۲۳ھ (۹۳)

شہزادہ کی ولادت کی نسبت سے مندرجہ بالا تاریخ کا مصرع نہایت موزوں اس لئے بھی ہے کہ اگر کسی عام انسان کے گھر بھی ولادت ہوتی ہے تو وہ تمنا کرتا ہے کہ بچہ خوبصورت ہو۔ بادشاہ تو پھر بادشاہ ہے اس کے گھرانے کے بچے تو خوبصورت ہی نہیں بلکہ نہایت خوبصورت ہونا چاہئیے اس خوبصورتی کی انتہا کے لئے حسن یوسف سے بہتر دوسری اصطلاح ملنا مشکل ہے کیوں کہ حسن یوسف کا تذکرہ قرآن شریف میں موجود ہے لہٰذا ان کا حسن تشبیہ کے ساتھ ساتھ تلمیح کے پیکر میں بھی ڈھل چکا ہے یہی وجہ ہے کہ ہر حسن کی تشبیہ حسن یوسف سے دی جاتی ہے۔ اسی طرح سکندر بھی اس تلمیح کا ایک جز ہے جہاں شاہنشاہوں کی شان و شوکت اور کر و فر کا تذکرہ

ہوتا ہے۔ ہر بادشاہ چاہتا ہے کہ وہ سکندر کی طرح فاتح زندگی گزارے لہٰذا اس مصرع میں دوسری استعاراتی اور تلمیحاتی صورت سکندر سے نمایاں ہے گویا یہ بچہ یوسف جیسا حسن اور سکندر جیسا جاہ و حشم لے کر آیا ہے۔ ان سبھی لوازمات کے ساتھ اس مصرع سے سال ولادت ۱۰۲۳ھ برآمد ہوتا ہے۔

۱۰۲۴ھ میں جہانگیر بادشاہ نے اجمیر میں ایک عمارت تعمیر کروائی تو سعیدای گیلانی نے مندرجہ ذیل تاریخی مصرع اس عمارت کے مکمل ہونے پر برآمد کیا۔

ع محل شاہ نور الدین جہانگیر ۱۰۲۴ (۹۴)

بادشاہ نے اسے کتبہ کی شکل میں لگانے کا حکم دیا۔ مصرع سے واقعے کی پوری نوعیت معلوم ہو جاتی ہے۔

۱۰۲۸ھ میں اورنگ زیب بن شاہجہاں کی ولادت ہوئی ابو طالب کلیم نے مندرجہ ذیل تاریخ ولادت کا اہتمام کیا۔

طبع در باب سال تاریخش
زد رقم "آفتاب عالم تاب"

گویا شاہی گھرانے میں دنیا کو روشن کرنے والا آفتاب آیا ہے۔ عدل و انصاف کا قائم کرنا بھی عدل و انصاف کی روشنی سے تعبیر کیا جاتا ہے جو بادشاہ کے لئے ضروری ہے۔ اسی لئے بادشاہ کے پوتے کو ہر شی سے زیادہ چمک اور روشنی رکھنے اور دنیا کو روشن کرنے والے آفتاب کا استعارہ قرار دیا ہے۔ مصرع کے پہلے حصے میں لکھا کہ کر باقی حصے سے ۱۰۲۸ھ سال ولادت برآمد کیا گیا ہے۔

۱۰۲۹ھ میں جہانگیر نے کشمیر میں "چشمہ ورناگ" کے نام سے ایک حوض بنوایا۔ جس پر مندرجہ ذیل قطعہ تاریخ کا کتبہ نسب کیا گیا۔

از جہانگیر شاہ اکبر شاہ — این بنا سر کشیدہ بر افلاک
بانی عقل یافت تاریخش — قصر آباد وچشمہ ورناگ ۱۰۲۹ھ

چشمہ کے جائے وقوع اور نام سے سال تاریخ ۱۰۲۹ھ برآمد کیا گیا ہے۔

۱۰۳۷ھ میں جہانگیر بادشاہ کا انتقال ہوا جس کی تاریخ وفات مندرجہ ذیل مصرع سے برآمد کی گئی۔

ع جہانگیر گیرد جہان تناد ۱۰۳۷ھ

جہانگیر یعنی زمانے کو پکڑنے والا دنیا کا بادشاہ جس کا استعارہ نورالدین جہانگیر بادشاہ کی طرف ہے۔ اب اس بادشاہ نے جہان تناد کو پکڑ لیا ہے یا حاصل کر لیا ہے۔ تناد کا مفہوم "یوم تناد" سے مراد قیامت کا دن ہے جو موت

پر دلالت کرتا ہے۔ تناد کے ایک معنی محفل میں باہم بیٹھنے کے ہیں اور ایک دوسرے کو پکارنے کے بھی ہیں جبکہ قیامت میں نفسا نفسی کا عالم ہوگا تو یہ بادشاہ باہم بیٹھنے یا امداد کے لئے پکارنے کی کوشش کرے گا۔ گویا مر کر بھی اسے اتنا شعور ہوگا۔ ان باطنی مفہوم کے علاوہ وہ مصرع کی ظاہری صورت میں جہاں اور جہاں کے درمیان تجنیس کا لطف اس صورت میں ہے کہ پہلا جہان، جہانگیر کے نام کا جز ہے اور دوسرے جہان سے مراد قیامت یا مرنے کے بعد کا عالم ہے اسی طرح گیر اور گیرد میں جہاں تجنیس زاید و ناقص ہے وہیں صنعت اشتقاق کا حسن بھی موجود ہے کیونکہ دونوں الفاظ ایک مصدر گرفتن سے حاصل کئے گئے ہیں غرض کہ ایک مختصر مصرع میں واقعاتی نظام جہانگیر کی تکرار سے پورے حادثے کی عکاسی کر رہا ہے۔ مصرع سے مکمل ۱۰۳۷ھ برآمد ہوتے ہیں جو سال وفات جہانگیر ہے۔

۱۰۳۷ھ میں جہانگیر کا انتقال ہوا تو شاہجہاں بادشاہ بنا۔ اس واقعے پر شاعروں نے جہانگیر کی وفات کا غم کم اور شاہجہاں کی تخت نشینی کا جشن زیادہ منایا یہی وجہ ہے کہ جہانگیر کی موت پر بمشکل تمام ایک مصرع حاصل ہوا تو شاہجہاں کے سال جلوس پر تاریخ کے مصرعوں کی بارش ہونے لگی۔ حکیم رکنائی کاشی مسیح نے ایک نظم تحریر کی جس کا مندرجہ ذیل تاریخ سے متعلق شعر بطور مثال تحریر کیا جاتا ہے۔

بهر سال جلوس شه گفتم — درجهان باد تا جهان باشد — ۱۰۳۷ھ (۹۵)

میر محمد صالح نے یہ تاریخ اس طرح نظم کی۔

تا بود از آدم وعالم نشان — شاهجهان باشد شاه جهان — ۱۰۳۷ھ

"شاهجهان باشد شاه جهان" تاریخ کا مصرع شاعروں کو اتنا پسند آیا کہ اس دور کے موجودہ شاعروں میں اس مصرع پر مصرع لگانے کی ہوڑسی لگ گئی میر عبدالرشید نے بھی ایک دوسرا مصرع جڑ دیا۔

آمده تاریخ جلوس زغیب — شاهجهان باشد شاه جهان — ۱۰۳۷ھ

لیکن مندرجہ بالا دونوں مصرعوں میں رعایت لفظی کا خاص اہتمام کیا گیا ہے۔ جو اس دور کی خاص شناخت ہے جیسا کہ جہانگیر کی وفات پر کہے گئے مصرع سے بھی ظاہر ہوا تھا پہلے مصرع میں جہاں، جہاں کی تکرار، باد اور باشد میں تجنیس زاید و ناقص کا اہتمام ہے تو واقع کی پوری نوعیت آشکارا ہے۔ اسی طرح دوسرے مصرع میں شاہ جہان کی تکرار جہاں ایک حسن تجنیس کی کیفیت پیدا کر رہی ہے وہیں واقعے کی اصلیت کو بھی واضح کر رہی ہے۔ یہاں یہ بھی بتا دینا بہتر ہے کہ اکبر نے جو فتوحات کا سلسلہ شروع کیا تھا اسی کی کامیابی سے متاثر ہو کر شاہزادوں میں دنیا پر حکومت کرنے کی خواہش انگڑائیاں لینے لگی تھی۔ وہ میدان کارزار میں تو اس کام کو انجام

نہ دے سکے لیکن اپنی اس تمنا کو انھوں نے بادشاہ بنتے ہی اپنے نام اور شہرت کا حصہ ضرور بنا لیا۔ انھیں عوامل کے زیر اثر نور الدین سلیم شاہزادے کا نام بادشاہ ہونے پر جہانگیر ہو گیا تو اس کا بیٹا شہاب الدین خرم اپنے اصلی نام کی جگہ شاہ جہان کے نام سے مشہور ہوا۔ یہ سلسلہ اور آگے بھی موجود ہے لیکن یہاں شاہ جہاں کے نام پر ہونے والے اعتراض کے جواب میں تاریخ گوئی کے حسن سے مملو مثال پیش کی جاتی ہے۔ شہاب الدین جب دہلی کے تخت پر جلوہ افروز ہوا تو اس نے اپنا نام بدل کر شاہ جہاں (جہاں کا بادشاہ) رکھا تو قیصر روم نے اسے خط لکھا کہ تم تو صرف ہندوستان کے بادشاہ ہو سارے جہان کے بادشاہ کیسے ہو سکتے ہو۔ اس سوال کا جواب کلیم نے فی البدیہہ اس طرح دیا۔

هند وجهان زروی عدد هر دو چون یکیست — شه را خطاب شاهجهانی میرمن است

اس طرح ہند=۵۹ اور جہان=۵۹ کے عدد برابر ہونے کی دلیل نے شہاب الدین کو شاہ جہاں لکھنے کا حق دلوا دیا۔ ان عدد کا برابر ظاہر کرنا کوئی نئی بات نہ تھی اسی دور میں حسن مشہدی اسی مفہوم کی ایک رباعی لکھ چکے تھے ممکن ہے کلیم کے فی البدیہہ جواب میں اس رباعی کا راز مضمر ہو۔

"چون هم عددند هند و موجود جهان — تا آمده را بهند موجود بدان
معدوم بهند آید و موجود شود — موجود شود کس که آید بجهان (۹۶)

حسن مشہدی نے اس راز سے پردہ ہٹایا کہ ہند اور جہان کے عدد شمار میں برابر ہیں لہٰذا ہندوستان میں ساری دنیا کا لطف موجود ہے۔ غرض کہ شاہ جہاں کے دور میں اس کے جشن جلوس سے ہی تاریخ گوئی کے ذریعے معمے حل ہونے لگے تھے۔

۱۰۳۸ھ صفوی خاندان کا چھٹا بادشاہ، شاہ صفی سام مرزا اول رونق افروز تخت ایران ہوا تو مرزا حسن واہب نے ایک ایسا تاریخی قصیدہ پیش کیا کہ جس کے ہر مصرع سے تاریخ برآمد ہوتی ہے۔ اس قصیدے کا مطلع اور ایک شعر بطور مثال تحریر کیا جاتا ہے۔

ای شاه جهان مهی زاوج شرفی — ۱۰۳۸ھ
نوباده بوستان شاه نجفی — ۱۰۳۸ھ (۹۷)

نازد زتو مسند شهی زانك زجاه — ۱۰۳۸ھ
همسام نریمانی هم شاه صفی — ۱۰۳۸ھ

یہ بات تو اظہر من الشمس ہے کہ صفوی حکومت کی بنیاد مذہبی طور پر رکھی گئی تھی۔ جس کے زیر اثر اس دور میں

شخصی قصاید لکھنے کا رواج اہل بیت کی شان میں لکھے جانے والے قصاید میں ڈھل گیا تھا۔ مندرجہ بالا تاریخی نظم کے مطلع میں ہی یہ نقوش بہت واضح ہیں۔ گویا ابتدا اتباع مدح شاہ نجف سے ہوئی، دوسرے شعر میں سام اور شاہ صفی جیسے ناموں کا استعمال بطور تبرک کیا گیا۔

۱۰۴۰ھ میں شاہ جہاں کی محبوب ترین بیوی ممتاز محل کا انتقال ہوا تو شاہ جہاں کے غم کا ٹھکانہ نہ رہا: اس دور میں تاریخ گوئی کا رواج اتنا عام ہو چکا تھا کہ بادشاہ نے خود لفظ ''غم'' سے ممتاز محل کی تاریخ وفات کا لفظ تلاش کیا جو اس کے دل کا مداوا تھا۔

۱۰۴۰ھ میں بغداد کے حاکم صفی قلی خان کی وفات ہوئی۔ اس کا وزیر مرزا معین الدین محمد فارسی کا شاعر تھا جس نے مندرجہ ذیل تاریخ وفات برآمد کی۔

خان عادل حامی ملک وصفی روزگار   ملجا از فتح و ظفر هم صاحب خیل وحشم
تورچی باشی شاهِ اولیا شیر علی   خادم هفت آسمان و بنده شاه عجم
میهمان گردید در جنت بخوان لطف حق   چون شد از دنیا ملول آن قبله اهل کرم
چون قلم سربر فراز و بهر تاریخش بگوی   تیغ را قبضه شکست و بی سروپاشدعلم

۱۰۴۰=۳۰+۱۰۱۰ (۹۸)

مندرجہ بالا تاریخ تعمیہ میں ہے۔ جس میں ہنرمندی یہ دکھائی گئی ہے کہ بادشاہ کی موت لشکر کے لئے شکست کا باعث ہوتی ہے۔ کیونکہ لشکر اپنے بادشاہ کے لئے جان کی بازی لگا تا ہے۔ اسی لئے اہل لشکر کا ہاتھ تیغ، نیزہ، سنان یا تیر وکمان پر ہوتا ہے تو نگاہیں جہاں دشمن کی افواج پر ہوتی ہیں وہیں اپنے لشکر کے سپہ سالار اور اس کے جھنڈے پر بھی رہتی ہیں۔ گویا بادشاہ کے ساتھ تیغ اور علم کی اہمیت بھی کم نہیں ہے۔ اس بادشاہ کے فوت ہو جانے سے تیغ کا قبضہ ٹوٹ گیا اور علم بھی بے سروپا ہو گیا۔ یہاں دونوں الفاظ کے اصلی اور مجازی دونوں معنی مراد لئے جاسکتے ہیں۔ لیکن اس مصرع میں تاریخ نکالنے کے لئے یہ ہنرمندی دکھائی گئی ہے کہ ''تیغ'' کا قبضہ یعنی ''ت'' اس سے الگ کرکے ''ی غ'' رہ جاتے ہیں جن کے عدد ۱۰۱۰ ہوتے ہیں اور جب ''علم'' بے سروپا ہوتا ہے تو اس میں صرف ایک حرف 'ل' باقی بچتا ہے، جس کے ۳۰ عدد شمار کئے جاتے ہیں ان دونوں کو جمع کرنے پر ۱۰۱۰+۳۰=۱۰۴۰ سال وفات صفی قلی خان برآمد ہو جاتا ہے۔

۱۰۴۲ھ میں صاحب ریاض الشعرا نے شاہ عباس ثانی کی تخت نشینی کی طرف ایک غلط اشارہ کرتے ہوئے میر شرف معروف شیرازی کا مندرجہ ذیل قطعہ تاریخ درج کیا ہے۔

''ودر تاریخ جلوسش بر شرف معروف شیرازی گفته:

چون به فضل مالک الملک علی الاطلاق شد   ، قرة العین صفی عباس ثانی پادشاه
سال تاریخ جلوسش خواستم از عقل، گفت   مسند کی شد مزین از عباس شاه'' (۹۹)

ریاض الشعرا میں چوتھا مصرع جو تاریخ کا ہے اسی طرح لکھا ہوا ہے۔ جس میں دو کمیاں بہت نمایاں ہیں اول تو یہ کہ مصرع بحر میں نہیں ہے: جس کی بحر فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات ہے۔ جس کی تقطیع

مسندے کی   شدمزی ن   از۔۔عب   باس شاہ

فاعلا تن   فاعلاتن   فاعلاتن   فاعلات   ہوتی ہے۔

مندرجہ بالا صورت میں حشو دوم میں ایک وتد مجموع (تین حروفی لفظ) کی کمی ہے۔ اس مصرع کے عدد کتاب میں نہیں لکھے گئے ہیں جو ۱۰۴۲ ہوتے ہیں۔ پروفیسر اکبر ثبوت کی معتبر تحقیق کے مطابق شاہ عباس ثانی ۱۰۴۲ھ میں نہیں بلکہ ۱۰۵۲ھ میں مسند نشین دولت ایران ہوئے تھے۔ لہٰذا یہ مصرع، بحر اور واقعات دونوں اعتبار سے درست نہیں ہے۔ جس کا صحیح مصرع تاریخ ۱۰۵۲ھ کے ذیل میں مورد بحث ہوگا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہی اصل اور باوزن مصرع ۱۰۵۲ھ کا متحمل ہو۔

۱۰۴۲ھ میں شاہجہان بادشاہ نے اپنے لئے ایک خاص محل پرانی دلی میں بنوایا تھا اس کی عمارت کے دروازے پر ایک کتبہ مندرجہ ذیل تاریخ کا نسب کیا گیا تھا۔

بدور شاه جهان صاحب قران ثانی   که در جهان نهان پرور سپهر جناب
همیشه باد بزیر سپهر بوقلمون   همی ضمیر منیرش پی صلاح و صواب
اگر زسالِ بنایش شود، سوال ترا   حساب کن "بسرای محل خاص" جواب

''بسرای محل خاص'' سے سال تعمیر ۱۰۴۲ھ برآمد ہوتا ہے۔ جس میں محل خاص کی تعمیر کی طرف واضح اشارہ ہے۔

۱۰۴۲ھ میں ہی کشمیر کے صوبے دار ظفر احسن خان کے والد خواجہ ابوالحسن کی وفات ہوئی۔ ابوطالب کلیم نے مندرجہ ذیل تاریخ برآمد کی ع

با امیر المومنین محشور باد   ۱۰۴۲ھ (۱۰۰)

دعائیہ مصرع ہے کہ ساقی کوثر حضرت علی امیر المومنین کے ساتھ حشر نصیب ہو۔ یعنی سرداران جوانان جنت کا ساتھ ہونا بہشت کی ضمانت ہے۔ جیسا کہ عام طور پر تاریخوں میں یہی ذکر رائج ہے۔

۱۰۴۴ھ میں شاہجہان نے دنیا کا بیش قیمتی اور خوبصورت تخت شاہی جسے تخت طاؤس کے نام سے یاد کیا

جاتا ہے بنوایا۔ قدسی مشہدی نے ایک اکتیس اشعار کی مثنوی اس پر کندہ ہونے کے لیے لکھی تھی جس کا مطلع اور آخری شعر جس سے تاریخ برآمد ہوتی ہے نذر قارئین کیا جاتا ہے۔

زہ فرخندہ تخت پادشاهی — که شد سامان به تائید الهی

چو تاریخش زبان پرسید از دل — بگفت: اورنگ شاهنشاه عادل ۱۰۴۴ھ (۱۰۱)

"اورنگ شاہنشاہ عادل" کے حروف سے ۱۰۴۴ھ سال تاریخ برآمد ہوتا ہے۔ اورنگ کے معنی تخت شاہی کے ساتھ شکوہ اور دبدبے کے بھی ہیں جب یہ دونوں معنی ذہن میں ہوں گے تبھی اس مصرع کا بھرپور لطف لیا جا سکتا ہے۔

۱۰۴۴ھ میں سعیدای گیلانی نے شاہجہاں کی مدح میں ایک قصیدہ نظم کیا تھا جس کے مطلع سے شاہجہاں کی تاریخ ولادت ۱۰۰۰ھ برآمد ہوتی ہے۔ جو تحریر کی جا چکی ہے۔ باقی مصرعوں سے تخت طاؤس پر جلوہ افروز ہونے کا سال ۱۰۴۴ھ برآمد ہوتا ہے۔ قصیدے کے دو شعر بطور مثال پیش کئے جا رہے ہیں۔

هزار بود و چل و سه بسال از هجرت — که شد بدهلی باشاهی و سپاه گران

۱۰۴۴ — ۱۰۴۴

بنو بهار بیامد بگلشن سرهند — گل بهار ابد با هوا چو گل خندان

۱۰۴۴ — ۱۰۴۴ (۱۰۲)

یہ قصیدہ سعیدای گیلانی کی ذہنی کاوش ہے۔ مکمل قصیدے میں کہیں بھرتی کے اشعار نظر نہیں آتے حالانکہ نغمہ سرائی سراسر آورد کے سہارے ہے۔ آمد کا ہونا تو ممکن ہی نہیں ہے۔

۱۰۴۴ھ میں ایران میں مرزا مقیم تبریزی نے محتشم کاشانی کی مذکورہ چھ رباعیوں کا جواب تحریر کرنے کی کوشش کی تھی۔ یہ رباعیاں سارو تقی کی مدح میں نظم کی گئی تھیں جن میں سے صرف ایک رباعی بطور مثال درج کی جاتی ہے۔

ای دست بدامان علی عمران — دستور جم و بدل سلیمان زمان

۱۰۴۴ — ۱۰۴۴

آرای و قلم طرز شهی کافی جود — هم بانی ملک گیر و ده ملک ستان

۱۰۴۴ — ۱۰۴۴ (۱۰۳)

مندرجہ بالا رباعی میں یہ التزام رکھا گیا ہے کہ ہر شعر کے نقط اور بے نقط حروف سے الگ الگ ۱۰۴۴ھ کا

سال برآمد ہوگا۔ اسی طرح کسی مصرع کو کسی بھی دوسرے میں شامل کر کے اسی طرح نقوط و بے نقوط حروف سے الگ الگ تاریخ کا سال ۱۰۴۴ھ برآمد کیا جا سکتا ہے۔ یہ ہنرمندی اس دور میں عام ہو چکی تھی۔ اسی طرح کی تاریخیں ہندوستان اور ایران میں کتنے ہی شاعروں کے مجموعوں یا دیوانوں میں موجود ہیں۔

۱۰۴۶ھ میں شاہ جہاں نے آگرے کے قلعے میں ایک دیوار بنوا کر اس کے کتبہ پر ایک نظم کندہ کروائی جس کے مندرجہ ذیل آخری شعر سے تاریخ برآمد ہوتی ہے۔

چنین گفت طبع حقایق شناس — سعادت سرای و همایون اساس

۱۰۴۶

۱۰۴۷ھ میں شاہجہان نے اجمیر میں ایک مسجد تعمیر کی جس کی مندرجہ ذیل تاریخ سعیدای گیلانی نے برآمد کی۔

ع قبله اهل زمان شد مسجد شاه جهان ۱۰۴۷ھ

واقعہ پر مکمل دسترس کے ساتھ مسجد کی مناسبت سے ہر حرف اپنی جگہ موزوں ہے۔

۱۰۵۲ھ میں شاہ عباس ثانی ایران کے شاہی تخت پر جلوہ افروز ہوئے تو مرزا مومن نصر آبادی نے مصرع تاریخ دریافت کیا۔

چو بنشست بر تخت عباس شاه — بشادی بدل شد همه درد و غم

پی سال تاریخ شاهنشهی — بگو "وارث ملک دارا وجم"

۱۰۵۲ (۱۰۴)

مندرجہ بالا مصرع تاریخ صنعت تلمیح سے مرصع ہے۔ ملک "دارا و جم" دارا اور جمشید بادشاہوں کی طرف اشارہ ہے جو ایران کے طاقتور اور فاتح بادشاہ ہوئے ہیں۔ ایرانی تخت و تاج کو ان کی وراثت کہا گیا ہے۔ اس مصرع میں یہ دعا بھی محذوف ہے کہ ان دونوں بادشاہوں کی طرح شاہ عباس ثانی کی حکومت جو ۱۰۵۲ھ سے شروع ہو رہی ہے نا قابل تسخیر، امن و امان اور عدل و انصاف کی ضامن رہے۔

۱۰۵۴ھ میں شاہجہان نے سورت (گجرات) میں ایک سرائے تعمیر کروائی جس پر مندرجہ ذیل کتبہ نصب کیا گیا۔

بنام فروزنده مهر ووفا — بدوران شاه جهان پادشاه

بنا کرد خان حقیقت سرشت — بصورت سرای بمعنی بهشت

بتاریخش آمد زچرخ این ندا   همایون سرای حقیقت بنا

۱۰۵۴ھ

لفظ سرای سے واقعہ اور ہمایوں سے کنایہ بادشاہ کی طرف ہے۔ لہٰذا مصرع مکمل اور ۱۰۵۴ھ کا شاہد ہے
۱۰۵۶ھ میں شاہ جہاں نے بلخ کو فتح کیا تو ملا عبداللہ امانی نے ایک رباعی تاریخ در فتح بلخ تحریر کی ۔

چون شاہ جہان زبلخ شد تاج ستان   جستم تاریخ فتح بلخ از وجدان

پیدا شدہ تاریخ زنام سردار   یعنی تاریخ شد "علی مردان خان"

۱۰۵۲ھ (۱۰۵)

علی مردان خان اس لشکر کا سپہ سالار اعظم تھا جس کی سرکردگی میں فتح بلخ حاصل ہوئی تھی۔ لہٰذا شاعر نے اسی کے نام سے اس فتح کا سال واقعہ برآمد کر لیا۔ اس مصرع کی بنا پر شاہ جہاں کے ساتھ علی مردان خان کا نام بھی روشن ہوا جس کے سر اس فتح وظفر کا خاص سہرا تھا۔ بادشاہ کا تو فقط نام ہی تھا۔

بلخ کی فتح کے لئے پہلے بھی کوششیں ہوتی رہی تھیں جو ناکام رہی تھیں۔ لہٰذا اس فتح پر خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا ۔ یہی وجہ ہے کہ کئی شاعروں نے اپنی اپنی طرز فکر میں اس فتح سے متاثر ہو کر تہنیت میں تاریخی قطعات اور قصیدے لکھے۔ جن میں سے ایک تاریخ نصیر شیرازی نے تعمیہ میں بڑے حسن اور واقعے کی مکمل معلومات کے ساتھ پیش کی تھی۔ جسے صنعتِ جمع اور نفی دونوں سے مرصع کیا ہے۔ یہ حروف اور عدد کا شمار دلچسپ بھی ہے اور معلومات افزا ہونے کے ساتھ تاریخ گوئی میں ایک نیا تجربہ بھی ہے۔ قطعے میں چھے اشعار ہیں۔ یہاں صرف دو اشعار برائے تاریخ رقم کئے جا رہے ہیں ۔

سال این تاریخ جست از عقل دانشور نصیر   گفت با طبعش زراہ تعمیہ کای نکتہ یاب

"والی توران" برآر از "ملک توران" وآنگہی   ثانی صاحبقران" بنشان جایش کن حساب

توران، بلخ اور بدخشان کے لئے استعمال ہوا ہے، جہاں کا والی نذر محمد خان تھا۔ "والی توران" کو پہلے "ملک توران" سے نکال دیجئے گویا "والی توران کے ۷۰۴ عدد کو "ملک توران" کے ۷۴۷ عدد میں سے کم کر کے اس کی جگہ "ثانی صاحبقران" (شاہ جہاں) جس کے عدد ۱۰۱۳ ہوتے ہیں کو جمع کر دیجئے اس طرح سال فتح بلخ ۷۴۷-۷۰۴=۴۳+۱۰۱۳=۱۰۵۶ برآمد ہو جاتا ہے۔

۱۰۵۸ھ میں شاہ جہان نے شاہ جہان آباد شہر کی بنیاد رکھ کر اسے آباد کیا تو میر یحیٰی نے مندرجہ ذیل تاریخ پیش کی

ع   شد شاہ جہان آباد از شاہ جہان آباد

۱۰۵۸ھ

شاہ جہان کی وجہ سے شاہ جہان آباد۔ آباد ہو گیا۔ رعایت لفظی کے ساتھ تجنیس کا حسن مصرع کی تاثیر کو دوبالا کرنے کے لئے کافی ہے۔

۱۰۵۹ھ میں ستارہ گڑھ فتح کیا گیا تو اس کی تاریخ صنعت ضرب میں اس فتح کی مندرجہ ذیل تاریخ برآمد کی گئی۔ ۔

جشن سہ بارہ گیر بفتح ستارہ گڑھ   نظارہ کن جوانب و اطراف بوستان

این بیت را بتعمیہ گیرد اگر کسی   تاریخ با نقط شود از لفظ او عیان (۱۰۶)

"جشن" جس کے "۳۵۳" عدد ہوتے ہیں انھیں تین سے ضرب کرنے پر فتح کا سال ۳۵۳x۳=۱۰۵۹ برآمد ہو جائے گا۔

۱۰۵۹ھ میں ہی شاہ عباس ثانی کے زمانے میں قندھار کو فتح کیا گیا تو میر عبدالحق تقی نے ایک نئی جدت کے ساتھ تاریخ برآمد کی ۔

دم تیغ شہ و سر خرم   ہر دو در ھند میرسند بھم (۱۰۷)

دم تیغ یعنی ت =۴۰۰ سر خرم یعنی خ=۶۰۰ در ہند یعنی ھند=۵۹ جب ان عدد کو جمع کیا جائے گا تو ۴۰۰+۶۰۰+۵۹=۱۰۵۹ سال فتح برآمد ہو جائے گا۔

۱۰۶۴ھ میں شاہ عباس ثانی کے حکم سے اعتماد الدولہ محمد خان کو وزارت کے منصب پر فائز کیا تو میر زا زین العابدین نے مندرجہ ذیل قطعہ تاریخ برائے تہنیت پیش کیا ۔

بدوران فرمان عباس شاہ   خدیو جہانگیر صاحبقران

وزارت زصاحبدلی یافت قدر   کہ از دل بود نیک خواہ جہان

بیفزود مقدار تاجیک وترک   چو تیغ و قلم را ازو فروشان

بتاریخ او کلک منشی نوشت   محمد وزیر شہ جم نشان

۱۰۶۴ھ (۱۰۸)

مندرجہ بالا مصرع میں واقعہ ! وزیر بنایا جانا، محمد کا وزیر بننا اور بادشاہ کا فرمان جاری کرنا، بادشاہ بھی جس کے پاس ایران کے باعظمت شہنشاہ جمشید جیسے بادشاہ کا شکوہ ہے۔ وزیر شہ، جم اور نشان سے مراعاۃ النظیر کے خوبصورت امتیاز ابھرتے ہیں۔ مصرع کامل اور ۱۰۶۴ھ کا پتہ دیتا ہے۔

۱۰۶۷ھ میں مرزا اسمٰعیل پسر اسد خان وزیر اعظم محمد اورنگ زیب کو ذوالفقار خان بہادر نصرت جنگ کا

خطاب ملنے پر ملا جامی بیخود لاہوری نے مصرع تاریخ اس طرح پیش کیا۔

ع زبرج اسد رو نمود آفتاب ۱۰۶۷ھ (۱۰۹)

اس مصرع میں علم نجوم کی اصطلاح برج اسد سے آفتاب کا نکلنا ہے۔ یہاں اسد کے دو معنی بطور مجاز استعمال ہوئے ہیں جس سے کنایہ کا لطف پیدا ہو گیا ہے۔ اس لفظ سے واقعاتی عنصر کو واضح کر دیا گیا ہے۔ یاد رہے کہ اسد میں خورشید کو عروج حاصل ہوتا ہے۔

۱۰۶۸ھ میں اورنگ زیب نے شاہ جہاں بادشاہ کی موجودگی میں شاہی تخت پر قبضہ کر کے اپنے باپ کو قیدی بنا کر اپنی تخت نشینی کی تاریخ اپنی ولادت کی مشہور تاریخ "''آفتاب عالم تاب" =۱۰۲۸ میں "م" ضمیر شخصی کا اضافہ کر کے: ع "آفتاب عالم تابم"

۱۰۶۸ھ برآمد کی یعنی میں آفتاب عالم تاب ہوں۔ ملا بدخشی نے "ظل الحق" سے یہ تاریخ برآمد کی ہے۔ جس کے عدد ۱۰۶۹ ہوتے ہیں۔ دراصل یہی سال اورنگ زیب کی باقاعدہ تخت نشینی کا سال ہے۔ اورنگ زیب نے یہ تاریخ مراد بخش کے گجرات اور شجاع کے بنگال پر قابض ہونے کے سال ۱۰۶۸ھ سے خود کو بادشاہ مان لیا جبکہ وہ اس زمانے میں داراشکوہ سے جنگ میں مصروف تھا۔

۱۰۶۸ھ میں شاہ عباس ثانی نے رود اصفہان پر ایک بند باندھنے کا کام انجام دیا تو شیخ رمزی کاشی نے اس واقعے کی تاریخ اس طرح حاصل کی ہے۔

حبذا سدی کہ از خارا ببیش زندہ رود　　از عطای شاہ دین عباس ثانی بستہ اند

بھر تاریخش گذشت از آب رُمزی ونوشت　　سد اسکندر بآب زندگانی بستہ اند

۱۰۶۸ھ (۱۱۰)

مندرجہ بالا تاریخ کے مصرع میں سکندر کا آب حیات سے تعلق آشکار کر کے تلمیح کی صنعت میں سے جہاں مفہوم کو وسعت عطا ہوئی وہیں عوام کے لئے اس ندی کے پانی کی اہمیت کا اندازہ بھی ہوتا ہے۔ اس ندی کے پانی کو آب حیات سے تشبیہ بھی دی گئی کیوں کہ پینے کا پانی زندگی کے لئے ایسی نعمت ہے جو آب حیات سے کم نہیں ہے۔ مکمل اور بھرپور تاریخی مصرع ہے، جس سے واقعے کا سال ۱۰۶۸ھ حاصل ہوتا ہے۔

۱۰۷۱ھ میں نواب مرزا مہدی صدر کو جب عہدہ وزارت سے سرفراز کیا گیا تو مولانا محمد امین ابو قاری نے بطور تہنیت ایک قصیدہ پیش کیا۔ جس کے آخری شعر کے دونوں مصرعوں میں سال تاریخ کا اہتمام کیا گیا۔ یہاں آخری دو شعر نذر قارئین کئے جاتے ہیں۔

چون آن دیدم در فیض ازل را حلقہ کو بیدم

دو تاریخ از دو مصراعم کشود آرم بنظم اینک

وزیر کل ایران زیب ملکی صدر دین مہدی ۱۰۷۱ھ

زھی کامل زھی دستور ادام اللہ اقبالك ۱۰۷۱ھ (۱۱۱)

مندرجہ بالا دونوں تاریخی اشعار خود اپنے واقعے کے گواہ ہیں۔ بحر کی بنا پر نام کو ایک نئے معنی پہنادئے گئے جس سے مجاز کی کیفیت نمایاں ہوئی کیوں کہ "صدر دین" کہہ کے مہدی کی اضافت سے جہاں صدر مہدی اصل نام نظم کیا گیا وہیں مہدی کے معنی ہدایت کرنے والا بتایا گیا۔ دوسرے مصرع میں خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے نیک خواہشات پیش کی گئی ہیں۔ دونوں مصرعوں سے الگ الگ سال تاریخ ۱۰۷۱ھ بڑی خوبی کے ساتھ برآمد کیا گیا ہے۔

۱۰۷۱ھ میں مولانا محمد امین الوقاری الیزدی نے ہی اسمٰعیل قلی بیگ کی نثری تاریخ برآمد کی جو اتنی بے ساختہ ہے کہ جسے الہام سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ جو مندرجہ ذیل ہے۔

"صفی قلی بیگ "ولد اسمٰعیل قلی بیگ نوہ محمد علی بیگ"

۱۰۷۱

شجرہ کی اس تاریخ کے ساتھ ایک دعائیہ جملہ عربی میں لکھ کر اس سے بھی تاریخ برآمد کی۔

"ھو اللہ حافظ" ۱۰۷۱ ھ (۱۱۲)

اس دعائیہ جملے سے زیادہ پرکاوش تاریخ شجرے کی ہے جس میں صرف ناموں کے استعمال کے علاوہ کوئی گنجائش نہیں تھی صرف ایک لفظ ولد وہ بھی اس موقع کے لئے ضروری تھا، لہٰذا خوبصورتی سے ادا ہوا اور ایک معرکۃ الآرا نثری تاریخ ادب کا حصہ بن گئی۔

۱۰۷۷ھ میں جب شواجی اورنگ زیب کی قید سے فرار ہوا تو حافظ ہدایت اللہ نے قرآن مجید کی آیت سے تاریخ اخذ کرتے ہوئے اسے بددعا سے یاد کیا۔

"ان شانئك ھو الابتر" ۱۰۷۷ ھ (۱۱۳)

جس موقع کے لئے اس آیت سے تاریخ اخذ کی گئی ہے اس موقع پر کوئی دوسرا جملہ اس بھرپور مفہوم کو ادا کرنے سے قاصر ہوتا۔ ایک تو اس آیت کے معنی، دوسرے اسی آیت کی شان نزول دونوں کی تصیحاتی کیفیت نے اس مصرع کو جو وسعت عطا کی ہے وہ بیان سے باہر ہے۔

۱۰۷۷ھ میں شاہ سلیمان اول، شاہ عباس ثانی کی وفات کے بعد جلوہ افروز تخت شاہ ایران ہوئے تو حکیم عبداللہ وحدت نے برای تبریک ایک ایسا قصیدہ نظم کیا جس کے ہر مصرع سے سال تاریخ برآمد ہوتا ہے۔ یہاں صرف مطلع درج کیا جاتا ہے۔

مژدها از گلشن ایمان چو گل سرزد صفی — دم چو صبح از نور راهی آل حیدر زد صفی

۱۰۷۷ھ — ۱۰۷۷ھ (۱۱۴)

شاہ سلیمان کو شاہ صفی کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ تذکرہ نصرآبادی میں تحریر ہے۔

"در تاریخ جلوس پادشاه عالم پناه گردون بادگاه سلیمان که بشاه صفی موسوم بودند"

اسی مناسبت سے سلیمان کی جگہ صفی کو قصیدے کی ردیف بنایا گیا ہے۔ یہ ردیف اس لئے اور بھی مشکل ہے کہ بادشاہ کے نام کو احتیاط اور سمجھ بوجھ کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے۔ اگر کہیں بھی بار خاطر ہوا تو شاعر کے جان کے لالے پڑ سکتے ہیں۔ مندرجہ بالا مطلع بادشاہ کی ذہنی تربیت اور مذہبی میلان کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ گلشن ایمان، مژدہا، گل وغیرہ الفاظ رعایت لفظی کی مثال ہیں تو ایمان کا گلشن سوائے شاہان صفوی کے دور کے بہت کم استعمال ہوا ہے۔ "آل حیدر" کہہ کر سادات کی عظمت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے صفی سلیمان کے خاندانی اوصاف پر نظر ڈالی گئی ہے۔ ان دونوں مصرعوں سے واقعے کی عکاسی بھی ہو رہی ہے اور سال جلوس ۱۰۷۷ھ بھی برآمد ہو رہا ہے۔ یہ التزام پورے قصیدے میں موجود ہے۔

اس مبارک موقعے پر ایک دوسرے شاعر محمد مسعود ولد آقا زمان زرکش نے بھی ایک قطعہ میں تاریخ برآمد کی ہے۔

شکر خدا که از کرم مرتضیٰ علیؑ — شد کامیاب شاه سلیمان جم سپاه

سال جلوس او طلبیدم زعقل گفت — شاهنشه زمان و سلیمان دین پناه

۱۰۷۷ھ (۱۱۵)

مندرجہ بالا مصرع تاریخ میں بھی حضرت سلیمان کے نام سے فایدہ اٹھا کر تلمیح کی خوبی سے مضمون کو وسعت دی گئی ہے۔ مذہبی عنصر اسی مصرع پر بھی غالب ہے۔ شاہنشہ زمان جیسی مبالغہ آرائی ہند و ایران کے بادشاہوں کے لئے عام ہو چکی تھی۔ اس کے باوجود مصرع میں ایک لفظ بھی بھرتی کا نہیں ہے؛ اور یہ مصرعہ تاریخ بڑی کامیابی اور چابکدستی سے نکالا گیا ہے۔ جس سے سال جلوس ۱۰۷۷ھ برآمد ہوتا ہے۔

۱۰۸۰ھ میں شاہ سلیمان کے حکم سے ایک مسجد کی مرمت اور تعمیر نو کا کام انجام دیا گیا۔ اس عمارت نو کے لئے خود صاحب تذکرہ نصرآبادی نے ایک قطعہ تاریخ نظم کیا جو کتبہ کی صورت میں اس مسجد کی دیوار میں نصب کر دیا گیا۔

در زمان خسرو گیتی ستان بحر دل — آفتاب مشرق دولت سلیمان بادشاه

پادشاهی کز برای کسب اقبال و شرف — فتح دل ظل همای رایتش گیرد پناه

یافت تعمیر این بنا از لطف آن گردون شکوه — شامل حال شریفش باد الطاف اله

تا بود مسجد برای سجده اهل ورع — آستانش بادشاهان جهانرا سجده گاه

خامه بهر سال تاریخ عمارت زد رقم — نو شد این مسجد زامر عادل عالم پناه

۱۰۸۰ھ (۱۱۶)

تاریخ کے مصرع سے واقعے کی نوعیت کا اندازہ بآسانی ہو جاتا ہے۔ یعنی انصاف پرور بادشاہ کے حکم سے یہ مسجد نئی ہو گئی۔ نئی ہونا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ مسجد پہلے سے موجود تھی جسے اس دور کے بادشاہ نے دوبارہ تعمیر کروایا۔ کس دور میں یہ تعمیر نو کا کام انجام دیا گیا یہ بات حروف کے عدد کا شمار سال تاریخ سے برآمد ہو کر بتائے گا کہ ۱۰۸۰ھ میں یہ دوبارہ تعمیر ہوئی۔ اس دور میں عالم پناہ سلیمان صفوی تھے۔

طاہر نصرآبادی کا شمار اس دور کے اہم تاریخ گویوں میں کیا جاتا ہے۔ طاہر نصرآبادی نے بھی محتشم کاشی جیسے شاعروں کی طرح ایک ہی واقعے کی خاصی تاریخیں جداگانہ اصناف سخن میں نکال کر اپنی شاعرانہ عظمت اور علمیت کا لوہا منوایا ہے۔ چنانچہ اس مسجد نو کی تاریخ تعمیر برآمد کرنے کے بعد اسی سال شاہ سلیمان نے جب ایک خوبصورت قلعہ نما عمارت "هشت بهشت" کے نام سے تعمیر کی تو طاہر نصرآبادی نے اس عمارت کی خوبصورتی سے متاثر ہو کر کئی طرح کے تاریخی مصرعے موزوں کئے۔ جس کی پہلی تاریخ ایک مثنوی لکھ کر اس کے آخری مصرع میں آشکار کی۔

بتاریخش قلم قدر اعلم کرد — خیالم (مشرق دولت) رقم کرد

۱۰۸۰ھ

یہ مصرع جس کے دو الفاظ (مشرق دولت) سے تاریخ سال برآمد ہوتا ہے۔ اچھا مصرع نہیں ہے۔ غالباً کسی کے اعتراض کرنے کے بعد ہی اس مثنوی کو آگے بڑھا کر اس کے ہر دوسرے مصرع سے تاریخ پانے کا التزام رکھا۔

بتاریخ دگر دل کرد تکرار — مکان عشرت بی روی اغیار — سنہ ۱۰۸۰ھ
بتجدیدش شد این مصرع بسامان — مکان شاہ دین پرور سلیمان — سنہ ۱۰۸۰ھ
زفیض شاہ دیگر گوهری سفت — بدیهه (قطعه خلد برین) گفت — سنہ ۱۰۸۰ھ

اسی مثنوی کے آخری شعر میں ایک ایسی تاریخی رباعی کہنے کا اشارہ کرتے ہیں جس کے ہر مصرع سے "ہشت بہشت" کا سال تعمیر برآمد ہوتا ہے۔

زخاطر این رباعی هامهیاست — که از هر مصرعش تاریخ پیداست

رباعی: چون شاه سلیمن شه اقبال بلند — شد بانی این مسکن بهجت پیوند
۱۰۸۰ — ۱۰۸۰

از جشن و نشاط و کامگاری دایم — دروی جای پادشه دولتمند
۱۰۸۰ — ۱۰۸۰

اس رباعی کے علاوہ ایک دوسری رباعی جو اسی طرح کہی گئی ہے، جس کے چاروں مصرعوں سے تاریخ تعمیر کا سال ۱۰۸۰ھ برآمد ہوتا ہے۔

ان دو رباعیوں کے علاوہ ایک دیگر ۲۴، اشعار کی مثنوی کے ہر مصرعہ میں "ہشت بہشت" کی تاریخ موزوں کی گئی ہے۔ جس میں اڑتالیس (۴۸) تاریخیں مہیا کی گئیں ہیں۔ صرف پہلا شعر درج ذیل ہے۔

چون بلوران شه اعلا شان — که زدل گشته سلیمان زمان
۱۰۸۰ — ۱۰۸۰

گویا کہ طاہر نے اسی فن کو اپنی ہنرمندی سے ایسا عروج بخشا کہ عقل حیران رہ جاتی ہے۔

۱۰۸۲ھ میں شاہ سلیمن کے حکم پر ایک ایسی توپ تیار کی گئی جس سے شاہی لشکر نا قابل تسخیر ہو گیا۔ کیوں کہ اس توپ میں دور سے دشمن کے قلعے کو مسمار کرنے کی طاقت بھی موجود تھی۔ طاہر نصر آبادی نے اپنی عادت کے بطور پہلے اس توپ کی تعریف میں ایک مثنوی تحریر کی، جس کے آخری مصرع میں، باقی سبھی اشعار میں تاریخ کہنے کی طرف اشارہ کیا۔

رقم نمود بتاریخ هشت بیت قلم — که حفظ سال زهر مصرعیست هست عیان

اس شعر کے بعد "ابیاتی کہ ہر مصراعش تاریخ است" کے عنوان سے آٹھ اشعار کے سولہ مصرعوں سے تاریخ اخذ کی گئی۔ یہ پوری نظم اس لئے تحریر کی جارہی ہے کہ اس میں صرف "توپ" کو عنوان بنا کر شعر کہے گئے ہیں۔

اس دور میں کسی ایک شے کو عنوان بنا کر نظم کہنے کا رواج بہت کم تھا۔ جدید شاعری میں اس طرح کی شاعری کا چلن عام ہوا۔ اس نظم کی خوبی یہ بھی ہے کہ اگر اس کے کبھی اشعار سے تاریخ برآمد نہیں بھی ہوتی تو بھی یہ ایک شاندار نظم کہلاتی ہر مصرع سے سال تاریخ ۱۰۸۲ھ برآمد ہونے کی خوبی نے سونے پر سہاگے کا کام کر کے اس نظم میں چار چاند لگا دئے ہیں۔

چه توپ قلعه جنگ و عناد را دهلیز — بود ستون و کند منزل عدو ویران
بود برزم عدو اژدهای آتش زاد — بقلبگاه شود اژدری گشاده دهان
کلید چاره دلی در گشاه واز دیوار — بود بجرم حصاری چو دشمن از میدان
زدود کینه او چشم دشمن بدکور — زکوب هیبت او قلعه فلك لرزان
بجای حرب کند بانگ همچو نالد رعد — بدهر شعله جانکاه وی چو برق جهان
جحیم از نفس شعله حال او بعرق — سموم از دم آتش بلای وی سوزان
بود بجوش فنا آستین جنگ اجل — ولی دهان صف حرب راگشوده زبان
زمهر تابود آیینه جمال سپهر — بنام شاه سلیمان شود جمیع جهان (۱۱۷)

مندرجہ بالا نظم میں توپ کی اہمیت کے چند پہلو اور اس کے حشر ساماں کاموں کو تشبیہ و استعارات و مبالغہ کی صورت میں پیش کیا ہے۔ دوسرے شعر کی ترکیب "اژدھای آتش زاد" توپ کی خلقت اور اس کی معنوی طاقت جس میں آگ کے گولے برسانا بھی شامل ہے۔ لہذا یہ توپ "اژدھای آتش زاد" ہے اسی شعر کے دوسرے مصرع میں "اجگر سانپ" کی تشبیہ توپ کے لئے عین مطابق ہے فرق یہ ہے اجگر سانپ جب سانس لیتا ہے تو سامنے کی قوی ہیکل جاندار صورتیں بھی اس کا لقمہ اجل بن جاتی ہیں۔ توپ بھی جب منہ کھولتی ہے تو اجگر سانپ کے کھلے ہوئے منہ کی مانند قلب پر بھی جو فوج کا سب سے مضبوط دستہ ہوتا ہے آگ برسا کر لقمۂ اجل بنا دیتی ہے۔ مبالغہ کی واضح مثال چوتھے شعر کے دوسرے مصرع میں دکھائی دیتی ہے جہاں اس کی مار سے آسمان کا قلعہ بھی دہل جاتا ہے حالانکہ یہ اشارہ اونچے اور مضبوط قلعوں کی طرف ہے۔ توپ جب آمادہ جنگ ہوتی ہے یا جب چھوڑی جاتی ہے تو اس سے نکلنے والی ہولناک آواز کو "نالد رعد" بادل کی گرج اور بجلی کی چمک جس سے دنیا دہل جاتی ہے سے تشبیہ دے کر بتایا گیا کہ یہ برق جیسی جلانے کی طاقت رکھتی ہے۔ برق جہاں گرتی ہے اس جگہ پر کسی طرح کا قہر بھی برپا کر سکتی ہے۔ مثلاً مطلوبہ علاقے کو جلا ڈالنا، زد میں آئے ہوئے انسان، مکان یا جانوروں کو خاکستر کر دینا یہ سبھی صفات توپ میں بھی بعینہ موجود ہیں۔ غرض کہ طاہر

نصر آبادی کی یہ نظم جس کے ہر مصرع سے سال تاریخ برآمد ہوتا ہے، اس کی کاوش اور محنت کا ایسا نتیجہ ہے جو اپنی مثال آپ ہے۔ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ شاعری کے اگلے مراحل میں اکثر اس نظم کی تاسی کی گئی ہے۔

۱۰۸۵ھ میں ہی مشہد مقدس میں امام حضرت علی رضا علیہ السلام کے مزار پر ایک خوبصورت اور پر شکوہ گنبد تعمیر ہوا تو مرزا حسن واہب نے عقیدتاً اس تعمیر کی تاریخ برآمد کی۔

بیتی آمد بر زبان خامہ از اسرار غیب   گشتہ از ھر مصرع آن بیت تاریخی عیان

مصرع اول در اتمام و دوم بھر بنا   بی کم و بیش از ولایات امام انس و جان

گر ز ابراھیم نوشد کعبہ اھل زمین   نوشد از سعی سلیمان کعبہ کروبیان

۱۰۸۶   ۱۰۸۵ھ (۱۱۸)

اس گنبد کی تعمیر ۱۰۸۵ھ میں شروع ہوئی تھی جو ۱۰۸۶ھ میں مکمل ہوئی۔ شعر تاریخ میں تلمیح اور مشابہت کے عجب پہلو اجاگر کئے گئے ہیں۔ اگر ابراہیم نے کعبہ خدا کی تعمیر نو کا کام انجام دیا تھا جس کا بیان قرآن مجید میں موجود ہے، تو بادشاہ سلیمان کی کوشش سے ''کعبہ کروبیاں'' بھی ایک نئی طرز پر تعمیر ہوا۔ روضہ امام رضاؑ کو ''کعبہ کروبیاں'' کہا گیا بظاہر یہ تشبیہ موزوں نہیں لگتی۔ لیکن حضور کے اہل بیت کی شان میں احادیث کا مطالعہ کیا جائے تو یہ مفہوم اچھی طرح فہم وادراک میں سما سکتا ہے۔ مثلاً اماؑم کی زیارت میں ایک جملہ ہے کہ ''السلام علیک یا امام الانس والجان'' ای انسانوں اور جنوں کے امام اسی طرح حضرت آدم کو فرشتوں کا سجدہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ بعض انسان فرشتوں کی بھی ہدایت کا منبع ہیں۔ انھیں احادیث وقرآنی آیات کی روشنی میں مرزا حسن واہب نے امام رضاؑ کے روضہ کو ''کعبہ کروبیاں'' سے تعبیر کیا ہے لہٰذا دونوں مصرعے مکمل اور واقعات کی صحیح عکاسی کرنے والے ہیں۔

۱۱۱۱ھ میں جب اورنگ زیب نے قلعہ ستارہ کو تسخیر کیا تو میر عبدالجلیل واسطی نے اس فتح پر لفظ ستارہ کی مطابقت سے ''شق القمر'' کی مثال کو پیش نظر رکھتے ہوئے تلمیحاتی تاریخ برآمد کی۔ جو مندرجہ ذیل ہے۔

از معجزہ پیغمبر شق القمر عیان شد   اعجاز خسروی بین "شق ستارہ آمد"

۱۱۱۱ھ (۱۱۹)

پیمبرؐ کے اعجاز سے شق القمر کا معجزہ نمایاں ہوا تھا۔ اعجاز خسروی یعنی اورنگ زیب کا اعجاز دیکھئے کہ اس نے ستارہ کو شق کردیا۔ یہاں ''ستارہ'' بطور استعارہ نہایت خوبصورتی سے استعمال کیا گیا ہے اور پہلے مصرع کے ذریعہ تاریخ سے انجان لوگوں کو مکر شاعری سے شق ستارہ کا دھوکا دیا گیا ہے۔ جبکہ ستارے سے مراد قلعہ ستارہ

ہے۔

مندرجہ بالا تاریخ کے علاوہ واسطی بلگرامی نے ایک رات میں دس تاریخیں مزید تحریر کی تھیں جن میں سے چند بطور مثال پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) جشن سہ بارہ گیر بفتح ستارہ گڑھ   نظارہ کن جوانب واطراف بوستان

این بیت را بہ تعمیہ گیرد اگر کسی   تاریخ با نقط شود از لفظ او عیان

مندرجہ بالا قطعے سے تاریخ حاصل کرنے کے لئے کافی غور و خوض کی ضرورت درکار ہے۔ یعنی پہلے لفظ ''جشن'' کو تین بار لکھئے، جشن کے عدد کو تین سے ضرب کیجئے جو ۳۵۳×۳=۱۰۵۹ ہوتے ہیں۔ اس کے بعد لفظ ''بوستان'' کے اطراف پر نظر کر کے نقطہ دار حروف کو مندرجہ عدد میں شامل کردیجئے جو 'ب' اور 'ن' ہیں۔ ان کے عدد ب=۲+ن=۵۰=۵۲ کو ۱۰۵۹ میں جمع کرنے پر ۱۰۵۹+۵۲=۱۱۱۱ عدد حاصل ہو جاتے ہیں جو فتح ستارہ گڑھ کا سال تاریخ ہے اور صنعت ضرب اور جمع کا ایک دلکش نمونہ ہے۔

ایک تاریخ میں عجب اختراع سے کام لیا ہے۔ جو صوری اور معنوی دونوں دائروں سے باہر ہے۔

چو سیوا و سنبھا و رانا بگیتی   زتیغ شھنشاہ گشتند پارہ

الفھای آن راجہ ھا را بیک جا   نوشتیم تاریخ فتح ستارہ

اس تاریخ میں اورنگ زیب نے جن دشمنوں کو شکست دی ہے ان کے ناموں کے الف بالترتیب لکھنے سے یہ تاریخ برآمد ہوتی ہے۔ یہ دشمنوں میں ''سیوا، سنبھا، اور رانا ان تین ناموں میں چار الف شامل ہیں۔ الف اور ایک کی صورت میں کوئی فرق نہیں ہے اسی نکتہ سے فائدہ اٹھا کر ان چاروں الف کو ایک ساتھ لکھنے پر ۱۱۱۱ھ گیارہ سو گیارہ ہجری سال فتح پڑھنے میں آجاتا ہے۔ اس طرف خود واسطی نے ایک شعر کے ذریعے اشارہ کیا ہے۔

چنین تاریخ گفتن اختراعی ست   شد از عبد الجلیل این آشکارا

اسی فتح سے متعلق ایک اور نئی ایجاد عبدالجلیل واسطی کی نظر آتی ہے جس سے ان کے مشاہدے اور بے کراں ذہنی اپج کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

زانگشتان شہ بر بیامد بہ ایھام   برابر بہ چار الف کردم نظارہ

بادشاہ بطور ایہام اپنی انگلیوں کا اگر نظارہ کرے تو چار الف کا نظارہ کر کے وہ اس تاریخ کو دیکھ سکتا ہے۔ چار انگلیوں کو ۱۱۱۱ کے عدد سے مطابقت دینا شاعر کے اوج تخیل اور جدت پسندی کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔ غرض کہ عبد

الجلیل واسطی نے فن تاریخ گوئی میں نئی نئی ایجادات کرنے کی کامیاب کوششیں کی ہیں۔

۱۱۱۴ھ میں جعفر علی خان کے بیٹے کامگار خان نے جب دوسری شادی کی تو نعمت خان عالی نے جو فارسی ادب میں طنز و مزاح کے موجد ہیں اس کدخدائی کی تاریخ برآمد کی جو لطف سے خالی نہیں ہے۔

کد خدا شد بار دیگر خان والا منزلت　　　باکمال عزو تمکین ووقار وزیب و زین

۱۱۱۴ھ (۱۲۰)

یہاں تاریخ گوئی کی روایت میں طنز و مزاح کی آمیزش پہلی بار دکھائی دیتی ہے جب کہ تاریخ کے مصرع کے بھی الفاظ باشکوہ ہیں۔

۱۱۱۸ھ میں اورنگ زیب کی وفات دہلی سے ہزاروں میل کے فاصلے پر تقریباً نوے سال کی عمر میں اورنگ آباد میں ہوئی۔ دکن کی جنگوں، مراٹھوں اور سکھوں کی شورش نے عوام میں ایک بے دلی کا سا احساس پیدا کر دیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ شاعروں میں بھی اورنگ زیب کے اس غم پر اداسی سی معلوم ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ فوراً ہی اورنگ زیب کے بوڑھے بیٹوں میں اقتدار کی جنگ اس نہج پر پہنچ گئی کہ مغل حکومت کی بنیاد ہی ڈانواڈول ہو گئی ایسے میں اورنگ زیب کی وفات کی طرف کس کی نظر جاتی اس کے باوجود وہ تاریخ جو اورنگ زیب کی ولادت سے شروع ہوئی تھی ''آفتاب عالم تاب'' اسی میں 'م' جوڑ کر خود اپنی تخت نشینی کی تاریخ اورنگ زیب نے آفتاب عالم تابم سے نکالی تھی۔ اسی مصرع سے کسی نے ''مرنے یا گزرنے کی مناسبت سے ''فَوَ دآفتاب عالم تاب'' کے الفاظ سے تاریخ وفات ۱۱۱۸ھ برآمد کی جو اس تسلسل کی آخری تاریخ ہونے کے بعد بھی آخری نہیں ہے۔ ''فوذ'' سے اورنگ زیب کی کل عمر ۹۰ سال ہونے کا اشارہ بھی ملتا ہے۔

ایک عجیب اتفاق یہ بھی ہے کہ اورنگ زیب کی زندگی کی اہم تین تاریخوں میں بطور اکائی آٹھ ''۸'' کا ہندسہ ضرور شامل ہے۔ وہ ۱۰۲۸ میں اس دنیا میں آیا، ۱۰۶۸ میں بادشاہ بنا اور ۱۱۱۸ میں اس دنیا سے رخصت ہوا۔

۱۱۱۹ھ، جو فیصلہ ۱۱۱۸ھ میں ہو جانا چاہیے تھا وہ چند مہینے کی جنگ کے بعد اس وقت ہوا جب اورنگ زیب کا ایک بیٹا محمد اعظم جنگ میں کام آ گیا۔ نعمت خان عالی نے اپنے شاہنامہ میں اس کی تاریخ وفات رقم کی۔

شہزادہ دیوانہ وشی اژدرم　　　حقا کہ نبود ہیچ از رستم کم

دیدند سرو تنش جدا گشتہ زھم　　　گفتند ھمہ: ھای محمد اعظم

۱۱۱۹ (۱۲۱)

اس تاریخ میں گذشتہ تاریخوں کے مقابل ترقی کے بجائے تنزل کے مراحل نظر آتے ہیں۔ یا جب لفظ ''ھای'' جو غم واندوہ وافسوس کی عکاسی کرتا ہے مل گیا تو دوسرے مصرعوں کی طرف توجہ نہیں کی گئی۔ اس کے باوجود مصرع میں موت اور نام کی مناسبت موجود ہے۔ مکمل واقعے کی تصویر کشی کا فقدان ہے۔ اس جنگ کا اختتام ۱۸ ماہ ربیع الاول ۱۱۱۹ھ میں ہوا تھا۔

۱۱۱۹ھ میں اپنے بھائی کو قتل کر کے جنگ میں فتحیاب ہونے کے بعد شہزادہ معظم قطب الدین شاہ عالم بہادر شاہ کے لقب سے بادشاہ بنا۔ اس نے اپنے باپ اورنگ زیب سے وابستہ مشہور تاریخ سے فایدہ اٹھاتے ہوئے اسی کے نقش قدم پر اپنی تخت نشینی کی تاریخ خود کہی۔

ع　ما آفتاب عالم تابیم　۱۱۱۹ھ

اس طرح ابو طالب کلیم کی برآمد کی ہوئی تاریخ دور شاہجہاں سے معظم شاہ تک کام آتی رہی۔ جس میں دو بادشاہوں نے خود اپنے جلوس کی تاریخیں برآمد کیں۔ مرزا بیدل نے بھی اس موقع پر ایک قطعہ تاریخ لکھ کر پیش کیا ہے۔

جلوس معدلت انوار بادشاہ زمان　　　بہ این مربع اسرار دادہ اند نشان

''شیون رافت یزدان'' ''جلال قدرت شان''　''ھمان خلیفہ رحمٰن'' ''معظم دوجھان''

۱۱۱۹ھ　۱۱۱۹ھ　۱۱۱۹ھ　۱۱۱۹ھ (۱۲۲)

مرزا بیدل نے جو اس دور کے آخری بڑے شاعر ہیں اپنی عظمت کا اعتراف کراتے ہوئے دوسرے شعر کے چار حصوں سے چار تاریخیں برآمد کی ہیں۔ جو بیدل کی اپنی اختراع ہے۔

۱۱۲۲ھ میں سید حسین رضوی کا انتقال ہوا جو اورنگ زیب کے عہد میں ایران سے آ کر امتیاز خان کے لقب سے سرفراز ہوئے تھے۔ میر عبدالجلیل بلگرامی نے ان کی تاریخ وفات ع ''آہ آہ امتیاز خان'' (۱۲۳) سے برآمد کی جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے اورنگ زیب کے آخری زمانے میں ہی شاعروں میں کوئی جوش وخروش باقی نہیں رہ گیا تھا۔ ورنہ تو یہ وہی عبدالجلیل واسطی ہیں جنھوں نے فتح ستارہ گڑھ کے موقع پر فن تاریخ گوئی میں کتنے ہی نئے شگوفے پیدا کئے تھے۔

۱۱۲۳ھ میں منجم خان خانخانان کی وفات لاہور میں ہوئی جو شاہ عالم بادشاہ کا وزیر اور نہایت علم پرور، شعرا نواز اور نیک خصلت انسان تھا۔ حکیم چندندرت نے مندرجہ ذیل تاریخ وفات برآمد کی:

ع　شد از عالم وزیر شاہ عالم　۱۱۲۳ھ (۱۲۴)

ایک دوسری تاریخ رائی پران ناتھ آرام نے بھی تعمیہ کے عجب انداز میں کہی۔

از وفاتش بی سر وبی پا شدند — مجد، خیر و بخشش و فیض و کرم

اسی طرح کی روایت تاریخ گوئی کے اوائل میں تیمور سے متعلق کہی گئی تاریخ

ع فی الحال ز "رضوان سرو پا بیرون کرد"

سے شروع ہوئی تھی۔ جو اس مصرع میں اور زیادہ بہتر صورت میں نظر آتی ہے۔ تاریخ کے عدد حاصل کرنے کے لئے "مجد، خیر، بخشش، فیض اور کرم کو بے سرو پا کرنے پر" ج، ی، خش، ی اور ر حروف حاصل ہوتے ہیں جن کے عدد ۳+۱۰+۹۰۰+۱۰+۲۰۰=۱۱۲۳ برآمد ہوتے ہیں۔ یہی خانخانان منعم خان کی تاریخ وفات ہے جو ان کی شخصیت کی بھرپور نمائندگی کر رہی ہے اور ان الفاظ کے بے سرو پا ہونے کا مطلب ہے کہ منعم خان ان اوصاف سے مزین تھا۔

۱۱۲۴ھ میں قطب الدین شاہ عالم بہادر شاہ اول کا انتقال ہوا۔ اس کا مزار قطب بختیار کاکی کے مزار کے قریب واقع ہے۔ جس کے سرہانے کندہ ایک شعر کے دوسرے مصرع سے سال تاریخ وفات برآمد ہوتا ہے۔

در خور نیت بامر مصطفیٰ — شاه عالم را بود جنت جزا ۱۱۲۴ھ

یہ تاریخ دعائیہ ہے۔ جس سے واقعے کی بابت اطلاع شاہ عالم کے نام کے ساتھ ملتی ہے۔ مکمل مصرع ہے جس کے حروف کے عدد سے ۱۱۲۴ برآمد ہوتے ہیں۔

۱۱۲۴ھ میں شاہ عالم کی وفات کے بعد ایک خونی جنگ سے دوچار ہو کر معز الدین جہاندار شاہ تخت دہلی کا مالک ہوا تو مرزا بیدل نے ایک قطعہ تاریخ کہہ کر اس کے چاروں مصرعوں سے سال تاریخ برآمد کر کے گیارھویں صدی ہجری کی یاد تازہ کی۔

شاه کشور عطا معز الدین — آفتاب کرم علی کریم
۱۱۲۴ — ۱۱۲۴

دلنواز سریر و تاج و علم — حق نوا بادشاه هفت اقلیم
۱۱۲۴ — ۱۱۲۴ (۱۲۵)

چاروں مصرعے نام، صفات، واقعے اور مبالغہ آمیز تعریف سے مسجع ہیں۔ "بادشاہ ہفت اقلیم" میں جہاں بادشاہوں کی خواہشات کا احترام ہے وہیں اس بے دست و پا بادشاہ کے لئے بھی بیدل نے قدیمی روایت کا پاس رکھا ہے۔ بیدل نے جہاندار کو تخت تک پہنچانے والے امیروں کی بھی مدح سرائی کی اور ایک رباعی

ذوالفقار خان کو بھی تاریخ کی شکل میں پیش کی جس نے جہاندار شاہ کو بادشاہ بنوانے میں ایک خاص رول ادا کیا تھا۔

آنها که بصد کمال شان دسترس است — وزنور یقین شاه جهان منقبس است
تاریخ ظفر حقیقت نصرت جنگ — گفتند که "ذوالفقار با آب بس است"
۱۱۲۴ (۱۲۶)

اس معرکہ میں دونوں بھائیوں شکر اللہ خان اور شاکر خان نے بڑی سرگرمی دکھائی تھی۔ لہٰذا بیدل نے شکر اللہ خان کے لئے بھی ایک تاریخی قطعہ موزوں کیا۔

بیال ای دل که شکر الله خان را — مدد کرد از جهان کبریا فتح
عیار سال تاریخش گرفتم — دو مصرعه همچنان گل کرد با فتح
برآمد آفتاب از برقع جود — مبارك جهد صالح مرحبا فتح
۱۱۲۴ — ۱۱۲۳/۱۱۲۴ (۱۲۷)

آخری دونوں مصرعوں سے سال فتح برآمد ہونا بتایا گیا ہے جبکہ دوسرے مصرعے کے عدد مشکوک ہیں۔ مبارکباد دینے کا التزام بھی موجود ہے۔ جہاندار شاہ کی حکومت کی کل مدت ۱۰ ماہ چند دن ہے۔

۱۱۲۵ھ میں فرخ سیر نے سادات بارہ کی امداد سے ایک فاتح کی شکل میں دہلی کے لال قلعے میں داخل ہو کر مہار حکومت سنبھالی تو مرزا بیدل نے اس بادشاہ کی مسند نشینی کی تاریخ بھی دریافت کی۔

نشان داد اقبال دور سپهر — ببرج شرف هاله ماه ومهر
۱۱۲۵ (۱۲۸)

اس تاریخی مصرع میں بیدل نے اپنے نجوم سے واقف ہونے کا اعتراف کیا ہے۔ فرخ سیر کا بادشاہ بننا اسی طرح ہے جیسے چاند تارے برج شرف میں داخل ہو گئے ہوں جہاں اوج ہی اوج ہے زوال کو کوئی گنجائش نہیں ہے۔

۱۱۲۵ھ میں ہی وزیر اعظم قمر الدین دکن کی حکومت ہتھیا لیتے ہیں تو بھی بیدل انھیں مبارکباد پیش کرتا ہے۔

ای امید این زمان تماشا کن — صبح اقبال عالم ایجاد
نقش بنیاد دشمنان ویران — خانه عیش دوستان آباد
خرمی طبل زد به این تاریخ — ملك خاص دکن مبارکباد
۱۱۲۵ (۱۲۹)

مصرع نہایت صاف ستھرا اور سلیس ہے۔ صرف ایک لفظ ''خاص'' ضرورتِ تاریخ کے لئے بھرتی کا معلوم ہوتا ہے۔ ورنہ ''ملک دکن مبارکباد'' بطور مضمون واقعہ کافی تھا۔ ایک مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ خاص کر ملک دکن مبارک ہو۔ بہرصورت مصرع تاریخ مکمل اور واقعے کی عکاسی کرنے والا ہے۔

۱۱۲۷ھ میں فرخ سیر بادشاہ نے جشن نوروز کے ساتھ اپنے دوسالہ جلوس کے جشن کا بھی اہتمام کیا۔ اس موقع پر بیدل نے مندرجہ ذیل قطعہ تاریخ موزون کیا۔

دل کز اقبال داشت جام نوید   از دو کیفیتم نمود آگاہ

گفت "جشن خلیفه دهلی"   زیب آداب عدل ظل الله

۱۱۲۷   ۱۱۲۷ (۱۲۸)

آخری دونوں مصرعوں سے تاریخ، جشن کی کیفیت اور شاہی آداب سے واقفیت ہوتی ہے۔

۱۱۲۹ھ میں فرخ سیر کے یہاں ایک فرزند کی ولادت ہوتی ہے بیدل اس موقعے پر بھی ایک تاریخی قطعہ پیش کرتا ہے۔

همه کس را ز خلق ملک وملك   درگرفت آرزوی عزم جناب

قدسیان آخر این ندا دادند   النوید آفتاب عالم تاب

۱۱۲۹ (۱۲۸)

بیدل نے اس مصرع تاریخ میں کلیم کے الفاظ کو پھر ایک بار استعمال کر کے اس میں صرف ''النوید'' کا اضافہ کیا ہے۔ یہ بھی ایک کمال ہے۔

۱۱۳۰ھ میں بیدل کے مربی خاص شاکر خان ثانی کا انتقال ہوتا ہے تو بیدل تاریخ وفات اس طرح نکالتا ہے۔

آه احرام شهادت بست شاکر خان من   بعد ازین روی که بینم رفت نور از باصره

قصه نومیدی خود بر که خوانم وای وای   بربنای کهنه من برق بود این نایره

بادل مایوس گفتم آن کدامین روز بود   ناله کرد و گفت "هی نصف جمادی الأخره"

۱۱۳۰ (۱۳۰)

بیدل نے عربی مہینے کی تاریخ سے سال وفات برآمد کیا ہے۔

۱۱۳۱ھ فرخ سیر کو بادشاہت سے معزول کر کے کچھ دن بعد قتل کر دیا جاتا ہے۔ اس موقع پر کسی شاعر نے

فرخ سیر کے جلوس اور معزولی کی تاریخ دو اشعار میں موزون کی ہے۔

سال جلوس وعزلت فرخ سیر زعقل   چون من سوال کردم او گفت نا گهان

یك بار بست و شش و دگر بار نوزده   از نام او بدر کن و تاریخ او بدان (۱۳۱)

یہ تاریخ تعمیہ میں ہے۔ جس کو حل کرنے کے لئے فرخ سیر کے عدد ۱۱۵۰ میں سے سال جلوس حاصل کرنے کے لئے بست وشش ۲۶ کم کرکے ۱۱۲۴ حاصل ہوں گے، تو معزولی کا سال دریافت کرنے کے لئے نوزدہ ۱۹ اعدد کم کرکے، ۱۱۳۱ حاصل ہو جائیں گے۔ فرخ سیر کا سال جلوس ۱۱۲۴ھ اور معزولی کا سال ۱۱۳۱ھ ہے۔ اس موقعے پر میر عظمت اللہ بیخبر بلگرامی نے ایک تاریخی رباعی اس حادثے کی جملہ نوعیت کو نظر میں رکھتے ہوئے موزوں کی تھی۔

بادشاه سقیم آنچه شاید کردند   از دست حکیم آنچه آید کردند

بقراط خرد نسخهٔ تاریخ نوشت   سادات دواش آنچه باید کردند

۱۱۳۱ ھ (۱۳۲)

فرخ سیر کی معزولی اور قتل کے بعد ۱۱۳۱ھ میں ہی یکے بعد دیگرے تین اور بادشاہوں رفیع الدرجات شمس الدین، رفیع الدولہ شاہ جہان دوم اور نیکو سیر نے حکومت کا ڈھونگ رچایا اور چلتے بنے تو میر عبدالجلیل واسطی نے لفظ ''فغان'' سے تاریخ حاصل کر کے اپنے غم کا اظہار اس طرح کیا۔

کردند سه بادشه بیك سال وفات   فرخ سیر و دگر رفیع الدرجات

بعدش چو شد از جهان رفیع الدوله   تاریخ "فغان" نوشته شد زین حرکات (۱۳۳)

پھر ۱۱۳۲ھ کے آخر میں محمد ناصر الدین کے قتل کے بعد ابراہیم محمد شاہ بادشاہ بنا تو یہ طوفان کچھ سال کے لئے ٹھہر سکا جسے استحکام ۱۱۳۳ھ میں نصیب ہوا۔

۱۱۳۳ھ میں ابراہیم محمد شاہ مکمل طور پر حکومت کا وارث بن گیا تو میرزا بیدل نے ''آفتاب عالم تاب'' میں ''عادل'' کا اضافہ کر کے ایک تاریخی قطعہ پیش کیا۔ جس کے آخری دو شعر تحریر کئے جاتے ہیں۔

سال تاریخ این تجلی نور   خواستم از مهندس آداب

قدسیان شش جهت ندا دادند   عادل آفتاب عالم تاب

۱۱۳۳ ھ

۱۱۳۴ھ میں محمد شاہ نے نظام الملک کو آصف جاہ کے خطاب سے اور وزارت کے عہدہ سے سرفراز کیا تو میر

عبد الجلیل واسطی نے بطور تبریک ایک تاریخ نظم کی۔ جو صوری اور معنوی دونوں قسموں سے مزین ہے۔ یعنی الفاظ سے ۱۱۳۴ ظاہر ہیں تو اس مصرع کے حروفی عدد بھی ۱۱۳۴ حاصل ہوتے ہیں۔

هزار ویك صد وسی وچهار نص نشاط　　دو گونه جوهر تاریخ ازو شود پیدا

۱۱۳۹ھ میں محمد شاہ کے زمانے میں ایک باغ ''باغ ناظر روز افزون'' کے نام سے تیار کیا گیا تھا جس کے دروازے پر کندہ تاریخ کے آخری دو شعر مندرجہ ذیل ہیں۔

بود سر سبز دائم　روز افزون　　به حق سوره عاد و تبارك

پی تاریخ سالش ! گفت هاتف　　"خدا یاری بود بالّه مبارك"

۱۱۳۹

۱۱۴۴ھ میں لکھنؤ کے نواب صفدر جنگ کے گھر میں جو دہلی کی وزارت پر بھی فائز تھے ایک فرزند کی ولادت ہوئی جسے شجاع الدولہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے تو رای سناتھ سنگھ بیدار نے تاریخ ولادت مندرجہ ذیل مصرع سے حاصل کی۔

بدولت خانه نواب منصور　　بر آمد آفتاب از مطلع نور

۱۱۴۴ھ　(۱۳۴)

آفتاب کنایہ ہے شجاع الدولہ کے لئے اور مطلع نور سے نواب صفدر جنگ بھی اسی ذیل میں آتے ہیں۔ اسے واضح استعارہ بھی کہا جا سکتا ہے۔ واقعاتی عنصر صفدر جنگ کے یہاں آفتاب جیسے روشن نور نظر کی آمد ہے۔ آفتاب کی رعایت سے نور کا استعمال مضمون اور مفہوم کو وسعت دینے کے لئے کافی ہے۔ مصرع کامل ہے جس سے ۱۱۴۴ عدد حاصل ہوتے ہیں۔

۱۱۵۰ھ میں نواب آصف جاہ ناظم دکن شہنشاہ دہلی محمد شاہ ابراہیم سے ملاقات کے لئے حاضر ہوئے تو اس خوشی کے موقع پر فضل علی خان ایرانی نے ایک تاریخی قطعہ پیش کیا۔

صد شکر که ذات دین پناهی آمد　　رونق ده ملك پادشاهی آمد

تاریخ رسیدنش به گوشم هاتف　　گفت "آیت رحمت الٰهی آمد"

۱۱۵۰　(۱۳۵)

بادشاہ جو ''ظل الٰہی'' سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔ جو ظل الٰہی ہے اس پر رحمتِ الٰہی کا اطلاق بے جا نہیں ہے۔ اور یہ ملاقات حکومت دہلی کے استحکام کے لئے بہت ضروری تھی کیوں کہ غلط فہمیوں کی بنا پر کوئی بھی حادثہ رونما ہو

سکتا تھا جو زوال پذیر حکومت کے لئے اور جلدی زوال کا باعث ہوتا۔ لہٰذا یہ ملاقات اللہ کی رحمت کی نشانی سے کم نہیں ہے۔ مصرع واقعے کی نوعیت سے مشابہ ہے اور مکمل سال واقعہ ۱۱۵۰ھ کا حامل ہے۔

۱۱۵۹ھ میں نادر شاہ بادشاہ نے اس دنیا سے کوچ کیا اسی سر پھرے بادشاہ کے ظلم و ستم نے دہلی حکومت کی گرتی ہوئی ساکھ کو مٹی میں ملا کر رکھ دیا تھا۔ اس بادشاہ کے دنیا سے کوچ کرنے پر اودھ رام نے تعمیہ میں قطعہ تاریخ وفات اس طرح برآمد کیا۔

شاه شاهان نادر ایران دیار　　داشت باغ دولتش خرم بهار

ناگه از حکم قضا پیك اجل　　تیز بگرفتش عنان اختیار

بهر تاریخ وفاتش عقل گفت　　رخت بست از "تخت هستی" "شهریار"

۱۸۷۵-۲۱۶=۱۱۵۹ (۱۳۶)

''تخت ہستی''، یعنی دنیا سے شہریار (بادشاہ) نے سامان باندھا گویا تختِ ہستی ''دنیا'' سے ایک شہریار کم ہو گیا۔ ''تخت ہستی'' کے عدد ۱۸۷۵ ہوتے ہیں جن میں سے شہر یار کے عدد ۷۱۶ کم کر دئے گئے تو ۱۸۷۵-۷۱۶=۱۱۵۹ سال تاریخ وفات نادر شاہ برآمد ہو جاتا ہے۔

۱۱۶۱ھ میں ایک ہی سال میں ابراہیم محمد شاہ بادشاہ، ان کے وزیر نواب قمر الدین خان اور نظام الملک آصفجاہ نے انتقال کیا تو میر غلام علی آزاد نے ایک ہی مصرع سے مندرجہ ذیل تاریخ وفات نظم کی۔

ع　نماند شاه زمان باوزیر و آصف دهر　　۱۱۶۱ (۱۳۷)

مصرع کی خوبی یہ ہے کہ ایک ہی لفظ ''نماند'' ''نہیں رہے گویا مر گئے'' سے گزری ہوئی تین عظیم ہستیوں کے نام لکھ کر تاریخی واقعے کی مکمل عکاسی کی گئی ہے۔ شاہ زمان محمد شاہ اپنے وزیر جو اشارہ ہے قمر الدین کی طرف اور آصف دہر جس سے آصف جاہ مطلوب ہیں کے ساتھ نہیں رہے۔ ایک ہی مصرع میں مکمل واقعے کی تصویر کشی وہ بھی تین اموات کے سلسلے میں میر غلام آزاد کی فن تاریخ گوئی میں مہارت کا کامل ثبوت ہے۔ میر آزاد نے ہی ایک دوسرا مصرع تعمیہ میں انھیں اموات سے متاثر ہو کر موزوں کیا۔

گشت تاریخ چون کشیدم "آه"　　موت شاه و وزیر و آصفجاه

۱۱۶۷　۶　-۶=۱۱۶۱ھ

دونوں تاریخی مصرعوں میں کوئی خاص نمایاں فرق نہیں ہے سوائے اس کے کہ پہلے مصرع کا آغاز ''نماند'' سے ہوا تھا جو موت کا مترادف تھا۔ یہاں لفظ ''موت'' کا استعمال براہ راست کیا گیا ہے۔ جس کے پہلے مصرع میں

تخرجہ کا اشارہ حادثے کی نزاکت کا عکاس ہے کیوں کہ کسی کی موت پر آہ وزاری کرنا ایک فطری فعل ہے جبکہ یہاں تین اموات کی بات کی جا رہی ہے۔ لہٰذا یہ تاریخ آہ کھینچنے سے برآمد ہوگی۔ دوسرے مصرعے جس کے عدد ۱۱۶۷ ہوتے ہیں سے ''آہ'' کو کھینچا جائے، کم کر دیا جائے تو یہ تاریخ ۱۱۶۷-۶=۱۱۶۱ھ برآمد ہو جائے گی۔ مصرع میں برجستہ بادشاہ، اس کے وزیر اور آصفجاہ کے موت کی خبر ہے۔ جوان حادثات پر صاد ہے۔

۱۱۶۱ھ احمد شاہ بادشاہ اور صفدر جنگ کے درمیان صلح ہوئی تو کسی شاعر نے مندرجہ ذیل تاریخ موزوں کی۔

ع الصلح خير قال الله ۱۱۶۱ ھ

اس مصرع پر عروضی سمرقندی کے اس قول کی یاد تازہ ہو جاتی ہے جو اس نے چہار مقالے میں ''ماکان'' کی شکست پر اسکافی کے ذریعے اطلاعی تحریر کے پس منظر میں کہا تھا۔ کہ بادشاہ کو اپنی فتح پر اتنی حیرت نہیں ہوئی جتنی ''اسکافی'' دبیر کی تحریر پر۔ یہی بات اس صلح سے متعلق اس تاریخ کے بارے میں کہی جا سکتی ہے کہ یہ تاریخ اس صلح سے زیادہ قیمتی ہے۔

۱۱۶۷ھ میں اس صلح کے بعد ہی صفدر جنگ فیض آباد میں اس دنیا سے کوچ کر کے ایک مدت بعد دہلی میں دفن کئے جاتے ہیں۔ ان کے مقبرہ پر مندرجہ ذیل قطعہ تاریخ وفات کندہ ہے۔

چون آن صفدر عرصهٔ مردمی زدار فنا گشت رحلت گزین
چنین سال تاریخ اوشد رقم که "بادا مقیم بهشت برین ۱۱۶۷ھ (۱۳۸)

۱۱۸۸ھ میں نواب شجاع الدولہ اور حافظ رحمت خان میں فتح گنج پوربی کے قریب کسرک پور میں ایک بھیانک معرکہ آرائی ہوئی جس میں حافظ رحمت خان کا سر تن سے جدا ہونے کے بعد شجاع الدولہ کو فتح حاصل ہوئی کسی شاعر نے اس واقع سے فائدہ اٹھا کر تعمیہ میں اس فتح کی تاریخ یوں برآمد کی۔

چو از لفظ " ظفر " جستند تاریخ
پی باقی سر حافظ بریدند

اگر لفظ ''ظفر'' سے تاریخ نکالنا چاہتے ہو تو باقی بچے ہوئے تاریخ کے عدد شمار کرنے کے لئے حافظ کا سر قلم کرنا ہوگا۔ مندرجہ بالا شعر سے دو مفہوم ایک دوسرے کے مترادف حاصل ہو رہے ہیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ لفظ ''ظفر'' میں جس کے عدد ۱۱۸۰ ہوتے ہیں اگر ''حافظ'' کا سر ''ح'' کے (۸) عدد شامل کر دئے جائیں تو اس جنگ کی فتح کا سال ۱۱۸۰+۸=۱۱۸۸ برآمد ہو جاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ ''ظفر'' حاصل کرنے کے لئے حافظ رحمت خان کا سر کاٹنا ضروری ہے۔ جیسا کہ اس جنگ کا انجام ہوا تھا۔ اس شعر میں سال تاریخ کے ساتھ داستان جنگ بھی بہت نمایاں ہے۔

۱۲۰۲ھ میں غلام قادر روہیلہ نے لال قلعے پر حملہ کر کے شاہ عالم ثانی کی آنکھیں نکال کر نہایت سفاکی کا ثبوت دیا تھا۔ پھر وہ اسی سال مارا گیا۔ تو کسی دل جلے شاعر نے ایک قطعہ تاریخ میں پورے واقع کو نظم کر دیا۔

کور چون کرد شاه راقادر این ندا از سماء رسد یکبار
سرو پای غلام قادر را ببرد، برفگن سر بازار (۱۳۹)

جب غلام قادر نے بادشاہ کو نابینا کر دیا تو آسمان سے ایک بار یہ آواز آتی ہے کہ ''غلام قادر'' کے سر اور پیر کو لے جا کر سر بازار ڈال دو۔ شعر کا ایک مفہوم اصل واقع کو بیان کر دیتا ہے۔ دوسرے مفہوم میں غلام قادر کا سر اور پیر جو ''غ اور ر'' ہے۔ جن سے ۱۰۰۰+۲۰۰=۱۲۰۰ عدد حاصل ہوتے ہیں۔ اگر ان میں ''سر بازار'' یعنی ''ب'' جس کے دو عدد ہوتے ہیں ملائیں تو یہ سال تاریخ ۱۲۰۰+۲=۱۲۰۲ برآمد ہو جاتا ہے۔

۱۲۱۲ھ میں نواب آصف الدولہ کی وفات ہو جاتی ہے۔ جن کی تاریخ وفات ملا محمد شوستری نے موزوں کی جس کا آخری شعر مندرجہ ذیل ہے۔

نقشبند کاف ونون بر تربت آصف نوشت هَاهُنَا رُوحٌ وَ رِيحَانٌ وَجَنَّاتُ النَّعِيمِ
۱۲۱۲ ھ (۱۴۰)

۱۲۲۱ھ میں شاہ عالم بادشاہ اس دنیا سے رخصت ہوا تو کسی سید نامی شاعر نے مندرجہ ذیل تاریخ وفات موزوں کی جوان کے مزار کے سرہانے کندہ ہے۔

وی آفتاب روی زمین بوده پیش ازین
شد، آفتاب زیر زمین آه و اهمان ۱۲۲۱ ھ

آفتاب کنایہ ہے بادشاہ شاہ عالم کی طرف جو زیر زمین دفن کر دیا گیا۔ اس مضمون کے ساتھ ہی رنج و غم اور افسوس کے الفاظ درج کر دئے گئے ہیں۔ یہ مضمون شاہ عباس ماضی کی تاریخ میں آ چکا ہے۔

۱۲۲۳ھ میں محمد اکبر شاہ ثانی کے حکم سے عشرت علی خان ناظر نے درگاہ شاہ مرداں سے متصل ایک مجلس خانہ تعمیر کیا تھا۔ جس پر حضرت سید کی موزوں کردہ مندرجہ ذیل تاریخ کندہ ہے۔

بـه درگـاه شـاهنـشـه دوسـرای علـىٌّ شـاه مـردان ولـى خـداى
بـه حـكـم شـه اكبـر نـامـور چو عشرت علی خان بیار است جای
زسـيـد شـدم، سـائـل سـال آن هـمـيـن زد رقـم "داد نـاظـربنـاى"
۱۲۲۳ ھ

۱۲۲۳ھ میں ہی محمد اکبر شاہ ثانی نے ایک آٹھ کونوں والا چھوٹا سا ایوان بنوایا جو برج مثمن کے نام سے مشہور ہوا۔ اسی ایوان کی ایک دیوار پر مندرجہ ذیل قطعہ تاریخ کتبہ کی صورت میں کندہ ہے۔ اس قطعے میں اکبر شاہ ثانی کے مشہور و معروف اجداد جیسے تیمور، اکبر، شاہ جہاں اور جہانگیر کے نام بھی نظم کئے گئے ہیں۔ لیکن یہاں صرف آخری شعر تحریر کیا جا رہا ہے۔

نوشت مصرع تاریخ این بنا سیّد　　بود نشیمن عالی اساس اکبر شه　۱۲۲۳ھ

نشیمن اور اکبر شہ سے واقعے کی نوعیت بخوبی سمجھ میں آجاتی ہے۔ مصرع سالم ہے جس سے سال واقعہ ۱۲۲۳ھ برآمد ہوتا ہے۔

۱۲۵۳ھ میں محمد اکبر شاہ ثانی کی وفات ہو جاتی ہے جن کی تاریخ وفات مندرجہ ذیل موزوں کی گئی ہے۔

سال فوت شاه دهلی گفت دل　　بود اکبر شاه ثانی و نماند　۱۲۵۳ھ (۱۴۱)

مندرجہ بالا تاریخ سے واقعے کی نوعیت اور سال وفات دونوں آشکارا ہیں۔ جملے میں یاس و حسرت اور افسوس کے پہلو بادشاہ کے نام کے ساتھ اجاگر ہیں۔ ''اکبر شاہ ثانی تھا اور نہیں رہا۔''

۱۲۵۳ھ میں اکبر شاہ ثانی کی موت کے بعد آخری تاجدار دہلی بہادر شاہ ظفر نام نہاد بادشاہ بنے تو صہبائی نے ان کے جلوس کی تاریخ لفظ ''چراغ دہلی'' سے برآمد کر کے اسے ایک شعر میں موزوں کر دیا۔

تاریخ جلوس آن شه والا قدر　　آمد بلب خرد "چراغ دهلی"　۱۲۵۳ھ (۱۴۲)

صہبائی نے یہ تاریخ حالات کے مدنظر عجیب مایوسانہ لہجے میں برآمد کی ہے۔ اسی لال قلعہ سے ہندوستان پر حکومت کرنے والے بہادر شاہ کے اجداد صرف ایک صدی قبل تک آفتاب، آفتاب عالم تاب اور آفتابیم کے دعویدار تھے۔ اور اب یہ آفتاب صرف ایک ٹمٹماتے ہوئے چراغ اور ''عالم'' دہلی شہر میں تبدیل ہو چکا ہے۔ اور یہ نظام بھی کہنے کو ہے کہ یہ بھی انگریزوں کی دی ہوئی پنشن یا خیرات پر مبنی ہے۔ ''آمد بلب خرد'' میں بھی مجبوری کی جھلک بہت نمایاں ہے۔ غرض کے صہبائی کی یہ تاریخ حسب حال ہوتے ہوئے بھی مغل بادشاہوں کے سال جلوس پر کہی گئیں تاریخ ہای جلوس کی طرز پر ہی ہے۔

۱۲۷۵ھ مطابق ۱۸۵۷ء میں پہلی جنگ آزادی کی قیادت کی پاداش میں اس آخری تاجدار مغل کو قید کر کے رنگون روانہ کر دیا گیا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ عموماً شرفاء ہند اور خصوصاً مسلم امراء کو قید یا موت کی سزائیں دی جا رہی تھیں ایسے میں کس کی ہمت تھی کہ اس واقعے پر زبان کھولتا جبکہ یہ جنگ آزادی آج تک غدر کے نام سے موسوم ہے لہٰذا راقم الحروف نے صنعت سنین صوری و معنوی میں تاریخ نکال کر ہجری اور عیسوی سنہ میں مندرجہ

ذیل تاریخ موزوں کی ہے۔

صدای بلبل گلشن کجا بندد بگو تاریخ　　هزار و دو صد و هفتاد و پنجین شق بهادر شه

۱۲۷۵ھ　۱۸۵۷ء

یہاں ''شق'' کے معنی ''قوم سے جدا ہونے'' یا کسی کو رنج و غم میں ڈالنے'' کے ہیں۔ یعنی یہ بہادر شاہ ۱۲۷۵ھ میں قوم سے جدا ہوا گویا قید کر لیا گیا۔ اس مصرع سے واقعے کی مکمل عکاسی بھی ہو رہی ہے اور اس میں صوری یعنی لفظوں سے ۱۲۷۵ عیاں ہیں تو حروف کے عدد سے اس جنگ آزادی کا سال ۱۸۵۷ء شمار کیا جا سکتا ہے۔

۱۲۷۹ھ مطابق ۱۸۶۲ء میں دہلی سے ہزاروں کوس دور رنگون میں بحالت قید بہادر شاہ ظفر نے انگریزوں کے ظلم اور اس دنیا سے نجات پائی۔ اس حادثے کی تاریخ بھی فارسی میں نہ مل سکی البتہ اردو میں ''بجھا ہے چراغ دہلی'' (۱۲۷۹) تاریخ وفات موجود ہے جسے سال جلوس کے ساتھ اس طرح ایک شعر میں پرویا گیا ہے۔

جلوس ان کا چراغ دہلی سو اب یہ دیکھو مطابق اس کے
سروش غیبی نے سال رحلت کہا ''بجھا ہے چراغ دہلی''

۱۲۵۳　۱۲۷۹

فارسی میں بہادر شاہ کی تاریخ وفات مندرجہ ذیل مصرع سے موزوں کی گئی ہے۔

ع　هزار و دو صد و هفتاد و نه بهادر شه سره

۱۲۷۹ھ　۱۸۶۲ء

اس مصرع میں صوری تاریخ ۱۲۷۹ھ ہے، تو معنوی تاریخ ۱۸۶۲ء نمایاں ہوتی ہے۔ یہی بہادر شاہ ظفر کی تاریخ وفات ہے۔

۱۳۰۵ھ میں آخری تاجدار اودھ واجد علی شاہ مٹیا برج میں آخری سانس لے کر ابدی نیند سو گئے تو سید اکبر حسن عبرت نے مندرجہ ذیل قطعہ تاریخ وفات موزوں کیا۔

بلند اختر شهی واجد علی شاه　　سریر سروری جاودان یافت
بروز سوم ماه محرم　　تنش راحت به مهد خاکدان یافت
به اجر ماتم شاه شهیدان　　جوار خسرو کون ومکان یافت

بـریـد از دلبران تـاریـخـش عبرت   قـصـور بـزم حـوران جـنـان یـافـت

۱۳۰۵ (۱۴۳)

جن حضرات نے واجد علی شاہ کی تاریخ اور سوانح سے استفادہ حاصل کیا ہے وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ واجد علی شاہ کے حرم میں دنیاوی حوروں کی کمی نہیں تھی۔ اسی طرح شعر وادب، ڈرامہ نویسی اور موسیقی وغیرہ سے بھی اس بادشاہ کو کم لگاؤ نہ تھا۔ ان کے محلات لکھنؤ اور مٹیا برج کلکتہ میں دیکھنے کے لایق تھے۔ مذہبی ارکان کی پابندی اس واقعے سے بھی واضح ہے کہ جس میں کبھی بھی صبح کی نماز قضا نہ ہونے کی معلومات فراہم ہوتی ہے۔ ان تمام خصوصیات کی بنا پر اکبر حسین عبرت نے بالکل ٹھیک ہی کہا ہے کہ (واجد علی شاہ نے) جنت میں حوروں کے قصر حاصل کر لئے۔

تیرھویں صدی ہجری میں ہندوستان پر آہستہ آہستہ انگریزوں کی حکومت قایم ہو چکی تھی جس کی بنا پر فارسی کی جگہ اردو اور انگریزی کا چلن عام ہونے لگا تھا۔ ۱۱۳۳ھ میں فارسی کے آخری بڑے شاعر مرزا بیدل کی وفات ہو جاتی ہے۔ جس کا مصرع تاریخ آزاد بلگرامی نے ''از عـالـم رفت میرزا بیدل ''موزوں کیا اس دور کی دوسری کڑی سراج الدین علی خان آرزو تھے، جنھوں نے ہندوستانی فارسی شاعروں کا دفاع بڑے زور شور سے کیا یہاں تک کہ شیخ علی حزین کو ناکوں چنے چبوائے۔ آرزو کا انتقال ۱۱۶۸ھ میں ہوا جن کی تاریخ وفات :

ع   آرزو رفت از جهان افسوس   ۱۱۶۸ ھ

سے حاصل ہوئی ہے۔ بیدل اور آرزو کے بعد غالب کے زمانے تک کوئی بڑا نام فارسی شاعری میں نظر نہیں آتا۔ یہاں تک کہ مغل خاندان کے پچیسویں یعنی آخری تاجدار سے پہلے بادشاہ محمد اکبر شاہ ثانی کے آخری دور ۱۲۵۱ھ/۱۸۳۵ء میں فارسی کو سرکاری زبان کے درجے سے خارج کر کے اردو کو سرکاری زبان بنا دیا گیا۔ اس دور میں فارسی ادب کے دو اہم مراکز ''دہلی اور لکھنؤ'' جو بہادر شاہ ظفر ۱۲۷۵ھ/۱۸۵۷ء اور واجد علی شاہ ۱۲۷۵ھ/ ۱۸۵۶ء آخری تاجداران دہلی و اودھ کی گرفتاری کے بعد دم توڑ دیتے ہیں اور انھیں دونوں بادشاہوں کی گرفتاری اور وفات کے نتیجے میں ہندوستان اور فارسی تاریخ گوئی کی شاہی تاریخ کا باب بند ہو جاتا ہے۔

❁ ❁ ❁

حواشی

نمبر سلسلہ	نام کتاب	مصنف/مترجم	چھاپ خانہ	صفحات
حواشی	قرآن مجید	تفسیر حافظ کفایت حسین		
۱	تاریخ الشعر العربی الحدیث	احمد قیس	دار الجیل، بیروت ۱۳۹۱ھ	۱۵_۱۲
۲	شام غریبان	لچھمی نرائن شفیق	انجمن ترقی اردو، کراچی ۱۹۷۷ء	۸۸
۳	عرفات العاشقین مخطوطہ مملوکہ	ڈاکٹر تقی علی عابدی	از تقی اوحدی	۲۷۱
۴	تاریخ اعظمی	محمد اعظم خان خوافی		۲۲۹
۶_۵	تذکرہ شعرای پنجاب	سرہنگ خواجہ عبد الرشید	اقبال اکادمی، پاکستان ۱۹۸۱ء	۲۶۴_۲۰۷
۱۳۴_۷	سفینہ ہندی	بھگوان داس ہندی	سلسلہ انتشارات، ادارہ تحقیقات، پٹنہ ۱۹۹۸ء	۲۳_۳۹
۴۶_۸	صحف ابراہیم	علی ابراہیم خان تصحیح عابد رضا	پٹنہ ۱۹۷۸ء	۷۷_۱۲۱
۹	مہذب اللغات	میرزا محمد مہذب	لکھنؤ دوم ایڈیشن ۱۹۷۴ء	۲۱۰
۱۰	نور اللغات			ج ۲ ص ۲۱۲
۱۱	افادہ تاریخ	جلال لکھنوی	مطبوعہ ۱۳۰۲	۲
۱۲_۱۷_۳۲	فن تاریخ گوئی کا تنقیدی جائزہ	ساحر لکھنوی	آثار و افکار اکادمی، پاکستان ۱۴۲۰ھ	۲۱_۱۳_۹
۱۵_۱۳	فرہنگ دہخدا		جلد ۱۴_۴۱	۲۷_۱۳۸
۱۶_۱۴	انواع شعر فارسی	دکتر منصور رستگار فسائی	انتشارات نوید، شیراز ۱۳۷۳ھ	۳۴۴
۱۹_۱۸	تذکرۃ الشعرا	امیر دولت شاہ	انتشارات پدید خاور ۱۳۳۸ش	۲۲۶_۲۴
۲۰	تذکرہ نصر آبادی	مرزا محمد طاہر نصر آبادی	چاپ خانہ ارمغان، تہران ۱۳۱۷ش	۴۷۰
۲۱	واقعات حکومت دہلی	محمد بشیر الدین	مطبوعہ دہلی	۲۳۶
۲۲_۲۹_۳۰	فرہنگ آصفیہ	مولوی سید احمد دہلوی	قومی کونسل، دہلی ۱۹۹۸ء	ج ۱_۹۱

۲۳	دائرہ معارف اسلامیہ	مطبوعہ دانشگاہ پنجاب	لاہور ۱۹۶۴ء	ج ۱_۳۳۷
۲۳	تاریخ گویان بدایوں	ڈاکٹر صداقت اللہ	بریلی الیکٹرک پریس ۱۹۹۵ھ	۹
۲۶_۲۷	فن تحریر کی تاریخ	محمد اسحاق صدیقی	انجمن ترقی اردو علی گڑھ ۱۹۶۲ھ	۱۲۶_۱۶۸
۲۸_۳۱	غیاث اللغات	محمد غیاث الدین	مطبع انوار محمدی لکھنؤ	۱۱_۱۲۵
۳۲	گنجینۂ تواریخ	میر نادر علی رعد	مطبع فخر نظامی، حیدر آباد	۳
۳۵	آثار و افکار و احوال حافظ	دکتر قاسم غنی	انتشارات زوار، تہران ۱۳۶۶	۲۹۲
۴۵	منتخب التواریخ	ملا بدایونی	منشی نول کشور ۱۸۶۰ء	ج۲،۱۴
۷۹	نشید کاظم	کاظم حسین	اسرار کریمی پریس، الہ آباد ۱۹۰۸ء	۱۲۸
۹۳	کاروان ہند	احمد گلچین معانی	آستان قدس رضوی ۱۳۶۹ھ	۱۴۴۲
۹۵	تذکرہ میخانہ	عبدالنبی فخر الزماں قزوینی	باہتمام گلچین	۴۴،۵۸
۹۹	ریاض الشعرا	علی قلی خان والہ داغستانی	کتابخانہ رضا، رامپور ۲۰۰۱	۱۵۳
۱۰۶	بیاض علی افضل	میر علی افضل	مخطوطہ قلم لائبریری سینتھل، بریلی	۹
۱۰۷	سفینۂ خوشگو	بندرابن داس خوشگو	انتشارات ادارہ تحقیقات، پٹنہ	۴۴
۱۲۲	میرزا بیدل	پروفیسر نبی ہادی	اسرار کریمی پریس، الہ آباد ۱۹۸۱ء	۴۱
۱۲۷	کلیات بیدل	عبدالقادر بیدل	کابل ایڈیشن	۴۳۴
۱۳۵	خزانہ عامرہ	میر غلام علی آزاد	منشی نول کشور، کانپور ۱۸۷۱ء	۳۴۳
۱۳۷	مقالات الشعرا	میر شیر علی قانع	سندی ادبی بورڈ، کراچی ۱۹۵۷ء	۱۳۶
۱۴۳	تذکرہ علمائے امروہہ	مولانا شہوار حسین	امروہہ ۲۰۰۳ء	۶۵

۳۳،۳۴_ص ۱۵۶، ص ۱۳۹_۳۶، ص ۲۱۷، از تذکرۃ الشعرا دولت شاہ

۳۷_۴۷۱، ۳۸_۴۷۸، ۳۹_۴۸۹، ۴۱_۴۸۹، ۴۲_۴۶۹، ۴۳_۴۷۰، ۴۴_۴۷۳، ۴۷_۴۷۹، ۴۸_۴۶۹،

۵۰_۴۷۲، ۵۱_۴۷۴، ۵۳_۴۶۹،

۵۷_۴۶۹، ۵۹_۴۶۹، ۶۰_۴۷۰، ۶۳_۴۷۱، ۶۴_۴۷۰، ۶۹_۴۶۹، ۷۱_۴۷۳، ۷۸_۴۸۱، ۸۰، ۴۸۲،

۴۴_۴۸۵، ۸۵_۹، ۸۹_۴۷۹، ۹۱_۴۷۹، ۹۶_۱۳۰، ۹۷_۴۸۰، ۹۸_۴۸۴، ۱۰۳_۴۸۰، ۱۰۴_۴۸۵،

۱۰۵_۴۸۳، ۱۰۷_۴۷۸، ۱۰۸_۴۸۰، ۱۱۰_۴۸۵، ۱۱۱، ۱۱۲_۴۸۷، ۱۱۴_۴۷۸، ۱۱۵_۴۷۸، ۱۱۶_و،

۱۱۷_۴۹۱، ۱۱۸_۴۸۵، از تذکرہ نصرآبادی

۴۹_۱۲۲۶، ۷۰_۱۴۹۳، ۷۴_۹۷۲، ۸۳_۵۵۹، ۹۳_۱۴۴۲، ۱۰۱_۱۱۰۹، ۱۰۲_۵۵۸، از کاروان ہند

۵۲_۲۶۴، ۵۸_۲۶۶، ۶۱_۷۸۳، ۶۲_۸۸۴، ۶۵_۲۳۱، ۷۲_۷۸۳، ۷۳_۷۸۳، ۷۵_۷۸۴،

۷۶_۷۸۳، ۸۶، ۸۷_۵۱، ۹۹_۱۵۳، ۱۲۰_۴۵۸، از ریاض الشعرا

۵۴_ج ۱ ص ۱۵۴، ۷۷_ج ۱ ص ۶۶۹، ۱۱۹_ج ۱ ص ۵۲۸، ۱۳۱_ج ۱_۶۳۶، ۱۳۳_ج ۱_ص ۶۲۷،

از واقعات دارالحکومت دہلی

۵۶_ص ۸۳، ۶۶_۸۶، ۶۷_۸۷، ۶۸_۸۷، ۷۹_ج ۱ ص ۴۱۴، از مقالات الشعرا

۷۰_۱۶۹، ۸۱_۲۰۵، ۸۲_۸۸۸، ۸۵_۵۰۸، ۱۱۰_۸۲۹، از تذکرہ میخانہ

۸۸_۴۹، ۱۰۹_۸۰، از تذکرہ شعرائے پنجاب

۹۰_۷۰۴، ۹۲_۷۰۸، ۹۴_۳۲۲، از تذکرہ عرفات العاشقین

۱۱۳_، ۱۳۹_۱۴۰_، ۱۴۱_، ۱۴۲_، از بیاض علی افضل

۱۲۱_۴۴، ۱۲۳_۴۸، ۱۲۴_۵۳، ۱۲۴، از سفینۂ خوشگو

۱۲۲_۴۱، ۱۶۲_۴۴، ۱۲۷_۴۴، ۱۲۹_۵۲، ۱۳۲_۵۶، از میرزا بیدل

۱۲۵_۴۳۴، ۱۲۸_۴۲۳، ۱۳۰_۴۳۴، از کلیات بیدل

۱۳۸_۹۵، از فن تاریخ گوئی کا تنقیدی جائزہ

Scanned by CamScanner



تعارف

نام : ڈاکٹر عراق رضا زیدی

والد کا نام : حکیم احمد اصغر زیدی قلم سیتھلی

پیدائش : ۶/اگست ۱۹۵۵ء قصبہ سیتھل، ضلع بریلی، اتر پردیش

مشغلہ : درس و تدریس (شعبۂ فارسی، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی)

عروض اور شاعری سے متعلق متعدد مضامین کے علاوہ تاریخ گوئی اور رُباعی پر بھی بہت سے مضامین ملک و بیرونِ ملک مختلف رسائل و جرائد میں شائع ہو چکے ہیں

تصانیف : (۱) مثنویاتِ فانی کشمیری کا تنقیدی جائزہ

(۲) انجمن اصغریہ

(۳) جنگ آزادی میں پنجاب کے شعراء و ادباء کا کردار

اعزاز : مثنویات فانی کشمیری پر ۱۹۹۵ء میں اتر پردیش اردو اکادمی ایوارڈ

مستقل پتہ : ادارہ بوستان قلم، قصبہ سیتھل، ضلع بریلی، اتر پردیش

MALIK BOOK DEPOT
3212, Turkman Gate, Delhi-110006
E-mail : aadilaseer@yahoo.co.in